جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

:- نگرانِ اعلیٰ -:

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ماهنامه
انوارِ مدینه
لاهور

جلد : ۳
شمارہ : ۲
قیمت :
۶۵ پیسے

شعبان ۱۳۹۲ھ
ستمبر ۱۹۷۲ء
فون :
۶۲۹۳۲

مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی
مدیرِ معاون : حبیب الرحمٰن اشرف

اس شمارے میں

اداریہ ۳
اولٰئک ہم الراشدون .... حضرت مولانا سید محمد میاں ۸
نعت .... سید اقبال سعید ۱۸
الشفاء .... محترم نور محمد غفاری ۱۹
احسان و تصوف .... شیخ الاسلام کی ایک تقریر ۲۶
اسلامی نظامِ عدالت .... حضرت مولانا محمد مرزا گل ۴۵
تعزیتی مکتوب .... حضرت مولانا سید محمد میاں بنام جناب مبین احمد ۵۴
آرا .... حضرت مولانا رسول خان، حضرت مولانا اسعد مدنی ۵۵
تبصرہ ۵۶

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

"پاکستان ایک مسجد ہے"

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ العزیز کا ارشادِ گرامی

کسی نے ایک مجلس میں پوچھا کہ حضرت! پاکستان کیلئے اب آپ کا کیا خیال ہے؟ تو حسبِ معمول سنجیدگی اور بشاشت سے فرمایا کہ ـــ

"مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے۔"

از شیخ الاسلام نمبر روزنامہ الجمعیۃ
دہلی ۔ ص ۱۷، خصوصی شمارہ ۴۳
مطبوعہ دہلی ۔ ۱۵ر فروری ۱۹۵۸ء

موسلہ: جناب حاجی رشید احمد صاحب مدظلہ، محمد نگر ۔ گڑھی شاہو ـــ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاعتبروا یا اولی الابصار

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ہمارا ملک آزاد ہوجانے کے باوجود آج تک آزاد آئین نہیں بنا سکا اور ہمیشہ دعویٰ دلیل سے خالی رہا، اس لئے موجودہ دور جس میں ہم ملک کے لئے آئین سازی کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں نہایت اہم دَور ہے ـــ آئین سازی میں ایک مسلمان کو امورِ شرعیہ میں ماہرین قانون شرعیہ کی رائے کا پابند ہونا چاہیئے اور نصوص قطعیہ کے آگے سر جھکا دینا چاہیئے اور عقل کو اس کے تابع رکھنا چاہیئے۔ ورنہ اگر نصوص قطعیہ میں تاویل کا باب کھولا گیا تو قانون میں وہ باتیں تو آجائیں گی جو چند آدمیوں کی عقل میں آرہی ہوں، لیکن قانون ان باتوں سے خالی ہوجائے گا جو رحمت باری اور نصرت الٰہی کا سبب ہوتی ہیں اور اس دفعہ بھی اگر اسلام کے بارے میں پھر وہ ہی کچھ کیا گیا کہ جو پہلے ہوتا آیا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ حق تعالیٰ بھی وہ ہی کرے جو پہلے سزاءً ہوتا آیا ہے۔　　　والعیاذ باللہ

اسمبلی کے کچھ اجلاسوں کی کارروائیاں شائع ہوئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا احترام بالکل نہیں کیا جا رہا ـــ یہ خیال کہ عورتوں کو خوش کرنا اور رکھنا ضروری ہے کل بھی تھا، آج بھی ہے چاہے خدا کی ناخوشنودی کا ہی موجب کیوں نہ ہوجائے پردہ کا مذاق اڑانا کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ پردہ کا حکم ازواجِ مطہرات کے لئے بھی آیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ　　　اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔

(پ ۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور
وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ	بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ
يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ	اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں۔

(پ - ۲۲)

جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جسے عورت اوڑھ کر سر سے پاؤں تک چھپ سکتی تھی۔ اگر اسے اس طرح سی لیا جائے کہ چلتے پھرتے وقت وہ بغیر ہاتھ سے پکڑے بھی رُکی رہے تو وہ یہی برقعہ بن جائے گا۔ ڈسٹرکٹ مردان کی بستیوں میں مثلاً "ٹوپی" وغیرہ میں جلباب کا رواج دیکھنے میں آیا ہے۔

ایک پڑھی لکھی نئی لیڈر خاتون نے کہا کہ احرام کی حالت میں عورت کو منہ ڈھکنے کا حکم نہیں ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ منہ نہ ڈھکنا اور پردہ کرنا دونوں جدا جدا ہیں، منہ نہ ڈھکے گی، لیکن پردہ اور آڑ میں ضرور رہے گی، وہ اپنے پردہ کے کپڑے کو ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے منہ سے ہٹائے رکھے گی جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محمل میں رہتی تھیں یا خیمہ میں باپردہ رہتی تھیں۔ ان کے بارے میں تفصیلات ان کے حالات میں ملیں گی ـــ زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ بنت زمعہ کو ان کے ایک بھائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کا حکم فرمایا تھا۔ اسکے بعد سے وفات تک کبھی بھی ایک نے دوسرے کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ حج بھی کرتی رہی ہیں اور حجۃ الوداع میں سب صحابہ بھی ساتھ تھے اور ان کے یہ بھائی صحابی تھے ـــ ان صاحبہ کے اس فرمان سے کہ احرام میں پردہ نہیں ہوتا خود صاف معلوم ہو رہا ہے کہ احرام کے سوا پردہ ہوتا ہے تو وہ پردہ کہاں ہے، آپ پاکستان میں تو احرام میں نہیں ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "اصل پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے"۔ یہ عجیب بے ثبوت بات نکال لی گئی ہے۔ مسلمان کے لئے تو قرآن پاک وحدیث سامنے رکھنی ضروری ہیں اپنی طرف سے بات گھڑ کر اسے قاعدہ اور حکم بنا لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہمارے آقا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں نابینا صحابی آئے تو آپ نے ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمایا۔ وہ عرض کرنے لگیں کہ یہ تو نابینا ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ افعمیاوان انتما۔ یعنی کیا تم بھی نابینا ہو ـــ مطلب واضح ہے کہ اگر وہ نہیں دیکھ سکتے تو تم تو دیکھ سکتی ہو۔ اور عورت کا مرد کو دیکھنا بھی ایسا ہی منع ہے جیسے مرد کو عورت کا دیکھنا ـــ اس سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ پردہ بحکم الٰہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جہاں کسی قسم کی خرابی کا اندیشہ ہو وہاں

پردہ کیا جائے۔ ورنہ نہ کیا جاتے۔

لہٰذا "پردہ آنکھ کا ہے" کے جملہ کو یہ معنی پہنانے چاہییں کہ چھُپ کر بھی آنکھ سے دیکھنا روا نہیں۔ جیسے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں انہیں منع فرمادیا۔ یا جیسے کہ کواڑ وغیرہ کی دراز میں سے کمرہ یا مکان میں جھانکنے کی سختی سے ممانعت فرمادی گئی ہے۔

ایک یہ خیال عام ہے کہ اگر عورت پردہ میں رہے گی تو ترقی نہ کرسکے گی اس لئے آزادی دینی چاہیئے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ آزادی، ترقی اور علم کے حصول میں کوئی ممانعت نہیں کی جاسکتی، لیکن آزادی اور ہے اور عریانی اور چیز ہے۔ آپ بے پردگی اور عریانی کو آزادی کا جزء قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے علم حاصل نہیں کیا تھا اور کیا انہوں نے اہل بصرہ سے لڑنے والے لشکر کی قیادت نہیں کی تھی۔ کیا انہوں نے اپنی رائے نہیں استعمال کی تھی اور کیا وہ مسائل میں اجتہاد نہیں فرمایا کرتی تھیں۔ وہ بلاشبہ علامہ اور مجتہدہ تھیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جن شاگردوں نے ان کی کتاب بخاری کے نسخے نقل کئے تھے اُن میں ان کی شاگرد ایک عورت بھی تھیں جنہوں نے ان سے پوری بخاری شریف سُنی اور نقل کی، ان کا اسم گرامی کریمہ بنت احمد ہے۔ رحمۃ اللہ علیہا ــ اُن کا نسخہ سنداً محدثین کے پاس چلا آرہا ہے۔ انہوں نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔

ماضی قریب میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی صاحبزادی محدث گذری ہیں اُن سے از پسِ پردہ بہت سے محدثین کرام نے اجازت حدیث لی ہے۔ وہ ۴۵ھ کے قریب تک مدینہ منورہ میں حیات رہیں اور دنیا بھر کے علماء ان سے مستفید ہوتے رہے۔

اور آج کے دَور میں عالم، حافظ، قاری عورتیں موجود ہیں۔ مدرسۃ البنات چشتیاں میں عورتیں مکمل درسِ نظامی کی فارغ ہیں اور آگے مکمل تعلیم دے رہی ہیں۔ اگر علماء کا خیال وہ ہوتا جس سے آپ مرد و زن ڈر رہے ہیں تو دورِ حاضر میں ایسی درسگاہ کی مخالفت کی جاتی، لیکن کبھی آپ نے کسی سے اس کی مخالفت سنی؟

مدرسہ باقیات الصالحات۔ مدراس کے اطراف میں ایک عرصہ سے قائم ہے۔ وہ بھی صرف عورتوں کی تعلیم گاہ ہے اور اسکی تعریف تمام علماء موجودین و مرحومین نے کی ہے، اور یہ وہ درسگاہیں ہیں

جہاں باقاعدہ لڑکیاں باہر سے جاکر تعلیم حاصل کرتی ہیں اور ان کی وہاں رہائش کا بندوبست ہے اور انکی استانیاں بھی صاحب تصانیف ہیں ۔ والحمد للہ ۔

بہرحال ہم اسی عقل و زبان کو احکام الٰہیہ کی تائید و استدلال کے کام بھی لاسکتے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں اور عقلی اعتراضات کا جواب عقلی دلائل سے دے سکتے ہیں اور (معاذ اللہ) یہی زبان و عقل خدائی احکامات کے مذاق اڑانے اور ان کے ابطال کے کام میں بھی آسکتی ہے ۔ خدارا ! اسے اسکے صحیح مصرف میں لگائیں، خدا کے احکام کی عظمت دل سے تسلیم کریں اور اسکی تقویت میں زبان و عقل کام میں لائیں ۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان

مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ علماء اسلام وزیرِ اعلیٰ صوبہ سرحد نے حال ہی میں پنجاب کے متعدد مقامات کا دورہ کیا ۔ ہر جگہ لوگوں کا بے پناہ ہجوم رہا ۔ ملتان میں اندازاً ڈیڑھ لاکھ اور خانپور میں اس سے بھی زیادہ لوگ ان کے خیالات سننے کے شوق میں حاضر ہوئے ۔ ہر جگہ انہوں نے یہی زور دیا کہ ہماری جد وجہد کا مرکزی نقطہ آئین اسلامی ہے ۔

لوگوں کے اس کثرت سے والہانہ انداز میں اجتماعات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ عوام آئین اسلامی کے دلدادہ ہیں جو انہیں امن و امان کے ساتھ رزقِ حلال، روٹی، کپڑا، مکان اور تحفظ عزت و جان کی ضمانت دے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جلیلہ قبول فرمائے اور پاکستان نزول رحمت خداوندی کی برکات سے متمتع ہو ۔

فدائین کی جاں نثاری

اولمپک ہاکی ٹورنامنٹ کے موقع پر فدائین نے جو کارروائی کی وہ بے مثال جرأت ہے ۔ دوسرے ملک میں گھرے ہونے کے باوجود انہوں نے نہایت درجہ شجاعت و قائی حواس کا ثبوت دیا اور اگر جرمن سپاہی فائرنگ نہ کرتے تو ان کی کارروائی ایک خاص ضابطہ میں رہتی اور ہلاکت خیز نہ ہوتی ۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان قول و قرار کا زیادہ پابند ہوتا ہے اور غیر مسلم نہیں، جرمن سپاہیوں نے فلسطینی مجاہدین سے وعدہ خلافی کی ۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو مسلمان سپاہی ایسا وعدہ خلافی نہ کرتے ۔ آپ دیکھتے ہیں مسلمان پاکستان میں ہندوؤں پر اور عرب ممالک اپنے یہاں آباد غیر مسلموں پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے ۔ ہندوستان میں اسپین کی طرح روز نسل کشی کی کوشش جاری رہتی ہے ۔ یہ فرق صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کو انکی مذہبی تعلیم اس

چیز سے باز رکھتی ہے۔ اسلامی مارشل لاء کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر مسلم حربی سے کوئی یہ کہہ کر اسے بلائے کہ "متر سس" یعنی "ڈرومت" تو پھر اسے مارنا جائز نہیں اور ایک ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سپاہی یا عام مسلمان امان دیدے تو بھی اسے قتل نہیں کیا جا سکتا اس کے افسر کو اس کی زبان اور وعدہ کا پاس رکھنا ضروری ہوگا۔

وزیرِ اعلیٰ صوبۂ پنجاب اور دینی طلبہ

جناب معراج خالد صاحب نہایت رحمدل اور غریب پرور اور حساس دل رکھتے ہیں۔ آپ نے مشرقی پاکستانی طلبہ کے لئے معقول گذارہ الاؤنس اپنی کوشش سے فراہم فرما کر عنایت فرمایا ہے، اراکین جامعہ مدنیہ دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو جو انہوں نے طلبۂ علوم دینیہ اور اضیافِ اسلام کے لئے کی ہے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں جزاء خیر دے۔

وفات حافظ عبد الرحیم صاحب مرحوم

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے ایک صاحبزادے حافظ قاری مولوی عبد الرحیم صاحب، گردوں کی طویل بیماری سہہ کر اس دنیا سے بروز پنجشنبہ ۱۰ اگست ۲۹ جمادی الثانیہ کو صبح ساڑھے سات بجے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات نہایت جوانی کے عالم میں ہوئی۔ وہ بہت خلیق عالم تھے۔ متقی تھے۔ حج میں جس کا ساتھ ہو جاتا تھا اسکی اتنی خدمت و مہمان نوازی کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ان کا دوست ہو جاتا تھا۔ تقویٰ کی وجہ سے اپنی غیر حاضریاں اور اوقات مدرسہ میں تاخیر کا حساب خود رکھتے تھے اور تنخواہ خود ہی کٹوا دیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ان کی عمر رسیدہ والدہ کے لئے بالخصوص اور باقی سب پسماندگان کے لئے ایک عظیم دردناک سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے اور سب پسماندگان کو صبر و اجر دے۔

وفات جناب حافظ کرم الٰہی صاحب

جناب حافظ کرم الٰہی صاحب برادر بزرگ جناب حاجی شوکت صاحب یو۔پی۔ سوڈا واٹر فیکٹری ایک طویل علالت کے بعد پنجشنبہ ۶ رجب ۱۷ اگست دوپہر ایک بجے اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ انہوں نے دورِ علالت نہایت صبر سے گذارا۔ لب پر کبھی بجز کلمات صبر و شکر نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ انکو اپنی رحمت میں مقام عالی نصیب فرمائے اور جملہ پسماندگان کا کفیل ہو۔

حامد میاں

اللّٰھم اغفرلنا ولھم وللامۃ المحمدیۃ قاطبۃ۔ آمین

فتنوں کی سرکوبی

قسط: ۱۸

اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْن

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد محمّد میاں ادام اللہ معالیھم

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیانات

محترم سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایک ایسی جماعت کے امیر اور امام ہیں جو یقیناً" کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ اس جماعت کے فرد یا اس کے امام اور امیر کو شیعی کہا جائے، لیکن یہ تضاد بیانی ناقابلِ فہم ہے کہ سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے کے لئے تو مودودی صاحب کمزور سے کمزور روایت بڑی شان سے پیش فرماتے ہیں اور اس کے برخلاف جن بیانات سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صفائی اور براءت ثابت ہو، مودودی صاحب اسکو اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں گویا وہ تاریخ کے ذخیرہ میں موجود ہی نہیں ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ تقریر جو طبری ص ۱۰۳۔ ج ۵ کے حوالہ سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمائی تھی اور اس میں بڑی قوت سے ارشاد فرمایا تھا:

> اپنے کسی رشتہ دار کو جو کچھ میں نے دیا ہے وہ اپنے پاس سے اپنے مال میں سے میں نے دیا ہے، مسلمانوں کا مال میں نے نہ اپنے لئے کبھی جائز سمجھا نہ اپنے کسی رشتہ دار کے لئے۔

(۲) اچھا رہنے دیجئے یہ خود (معاذاللہ) ملزم کا بیان ہے، ملزم کا بیان نظرانداز کیجئے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مودودی صاحب بھول جاتے ہیں کہ وہ خود یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ جب بلوائیوں کا ہجوم مدینہ پہنچا اور اُن

لوگوں نے حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تو ان تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا۔ اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کی۔ (خلافت و ملوکیت ص۱۱۷)

غور فرمائیں کہ اسی کتاب کے ص۱۱۷ پر پوزیشن کی صفائی کا اعتراف ہے، پھر کمزور اور ضعیف روایتیں پیش کرکے انہیں الزامات کو دہرایا جارہا ہے۔ جن میں سے ایک ایک کا جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ دے چکے تھے۔ (یاللعجب)

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک بھرے مجمع میں خود خوارج کے منہ پر ان تمام الزامات کا دندان شکن جواب دیتے ہیں۔ جملہ مؤرخین جن کو مودودی صاحب تاریخ اسلام کے مستند ترین مؤرخ قرار دیتے ہیں وہ ان جوابات کو نقل کرتے ہیں، لیکن مودودی صاحب کے نزدیک تاریخ کا صحیح مطالعہ غالباً یہی ہے کہ جو واقعہ ان کی منشاء کے خلاف ہو اگرچہ وہ دوپہر کے چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح روشن ہو مگر مودودی صاحب وضاحت و صراحت کجا، اشارہ اور کنایہ میں بھی اس کا ذکر نہ کریں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ خوارج نے یزید کے مقابلہ پر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا تھا۔ جب یزید کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشینوں نے پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر یورش کا ارادہ کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے مقابلے کی تیاری کرنے لگے تو اب بھی خوارج نے یہی ارادہ کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیں، لیکن کچھ ہوشمندوں کو خیال آیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دینے سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کریں اگر وہ ہمارے ہمنوا نہیں ہیں تو ہمیں بھی کیا ضرورت ہے کہ ان امداد و حمایت میں جان کھپائیں۔

چنانچہ خوارج کے نمائندے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے یہاں پہنچے اور کہا:۔

جناب والا۔ ہم نے پہلے بغیر رائے معلوم کئے آپ کا ساتھ دیا تھا، اب ہم آپکا ساتھ جب دیں گے جب عثمانؓ کے بارے میں آپ کی رائے معلوم ہوجائے گی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مجلس پر نظر ڈالی تو ان کے حامی بہت کم تھے آپ نے اس وقت

ان کو ٹال دیا کہ آپ صاحبان ایسے وقت آئے ہیں کہ مجلس برخاست ہو رہی ہے۔ میں اٹھ رہا ہوں آپ صاحبان شام کو تشریف لائیں، اس وقت اطمینان سے بات چیت ہو گی۔ یہ لوگ چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے "اصحاب" کو پیغام بھیجا کہ وہ شام کو اپنے اسلحہ لگا کر یہاں آئیں۔ خوارج کے آنے کا وقت ہوا تو تمام اسلحہ بند اصحاب کو دو قطاروں میں کھڑا کر دیا اور ایک جماعت جن کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر کے گرد کھڑی ہو گئی۔ اب خوارج کی جماعت آئی ان کے قائد ابن الازرق نے یہ شان دیکھی تو ساتھیوں سے کہا کہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ اس نے اپنے خطیب عبیدہ بن ہلال سے کہا کہ اپنا مقصد بیان کرو۔ عبیدہ نے نہایت فصیح و بلیغ پیرایہ میں حمد و ثناء کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کی اور کہا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرتے رہے۔ پھر لوگوں نے عثمان بن عفان کو خلیفہ بنا دیا۔

فحمی الاحماء فآثر القربیٰ واستعمل الغنی[1] ورفع الدرة[2] ووضع السوط ومزق الکتاب وحقر المسلم وضرب منکری الجور۔ وآوی طوید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضرب السابقین بالفضل وسیرهم وحرمهم ثم اخذ فیئ اللہ الذی افاء علیهم فقسمہ	اس شخص نے بہت سی زمینوں کو حمیٰ (سرکاری چراگاہ) بنا دیا۔ اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی۔ دولت مندی کا مظاہرہ کیا۔ درّہ ختم کر دیا۔ کوڑے سے پٹوانا شروع کیا کتاب کو پھڑوا دیا (ایک متفق علیہ مصحف کے علاوہ باقی تمام مصاحف کو جلوا دیا۔ محمد میاں) مسلم کو ذلیل کیا اور جو ظلم کرنے سے انکار کرتے تھے ان کو پیٹا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال دیا تھا اسکو سکونت کی اجازت دیدی جو حضرات اپنے علم و فضل میں نمایاں درجہ رکھتے ہیں انکو مارا، جلاوطن کیا اور محروم کر دیا (انکے وظیفے بند کر دیئے) پھر وہ مال جو بطور فئے آتا تھا اسکو لیا ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جو قریش کے فاسق اور

---

[1] ابن اثیر و فی تاریخ ابن جریر الفتیٰ

[2] عرب کے محاورہ میں اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے کہ ایک خاص ڈھنگ پر حکم چلانا شروع کر دیا۔

بین فساق القریش و | عرب کے آوارہ گرد اور لا اُبالی آدمی ہیں۔ پس مسلمانوں
مجّان العرب فسارت | کی ایک ایسی جماعت چلی جو اللہ کی اطاعت پر عہد و پیمان کئے
الیہ طائفۃ من المسلمین | ہوئے تھی۔ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا اس کو
اخذ اللہ میثاقھم علی طاعتہ | خوف نہیں تھا۔ اس نے عثمان کو قتل کر دیا۔ ہم اس جماعت
لا یبالون فی اللہ لومۃ لائم | کے حامی ہیں اور ولی ہیں اور جو لوگ عثمان کے حامی اور
فقتلوہ فنحن لھم اولیاء ومن ابن عفان | ولی ہیں ہم ان سے بیزار ہیں۔ اب آپ فرمائیے ــ
واولیاءہ براء فما تقول انت یا ابن الزبیر | ابن زبیر آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جواب

نہایت نازک موقع تھا جب خوارج نے یہ سوالات پیش کئے۔ دشمن مقابلہ پر تھا اور جن سے امداد کی توقع کی جا سکتی تھی وہ یہ سوال کر رہے تھے، مگر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے "صداقت" کو سیاست پر قربان نہیں کیا۔ آپ نے حمد و ثنا اور مسنون خطبہ کے بعد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں جو تم نے بیان کیا۔ باقی رہے سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو ان کے بارے ہیں۔

وقد فھمت الذی ذکرت | جو کچھ تم نے کہا میں نے اس کو خوب سمجھا اور میں نہیں
بہ عثمان بن عفان رحمۃ اللہ | جانتا کہ آج کے دن اللہ کی تمام مخلوق میں کوئی شخص
علیہ وانی لا اعلم مکان | حضرت عثمان اور انکے معاملہ کا مجھ سے زیادہ جاننے والا
احدٍ من خلق اللہ الیوم | ہے۔ جب اعتراض کرنے والوں نے اپنے اعتراضات
اعلم با بن عفان وامرہ | پیش کئے اور تدارک کا مطالبہ کیا اس وقت میں ان کے
منی کنت معہ حیث نقم | ساتھ تھا۔ ان لوگوں نے جس بات کا تدارک چاہا حضرت
القوم علیہ واستعتبوہ فلم | عثمان نے اس کا تدارک کر دیا۔ کوئی ایک بات بھی ایسی
یدع شیئًا استعتبہ القوم | نہیں رہی جس کا تدارک نہ کر دیا ہو۔ پھر وہ دوبارہ آئے
فیہ الا اعتبھم منہ ثم انھم | ان کی (حضرت عثمان) ایک تحریر لے کر وہ یہ دعوے
رجعوا الیہ بکتاب لہ یزعمون | کر رہے تھے کہ یہ تحریر ان کے بارے میں حضرت عثمانؓ

انه کتبه فیهم یا مرفیه	نے لکھی ہے (رضی اللہ عنہ) اس تحریر میں ان لوگوں کو
بقتلهم فقال لهم ما کتبته	قتل کرنے کا حکم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا
فان شئتم فهاتوا ببینتکم	میں نے یہ تحریر نہیں لکھی اگر تم چاہو تو ثبوت پیش کرو اور
فان لم تکن۔ حلفت لکم	اگر تم ثبوت نہیں پیش کر سکتے تو میں تمہارے سامنے قسم
فوالله ما جاؤوا ببینةٍ	کھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم۔ نہ انہوں نے کوئی ثبوت پیش
ولا استحلفوه۔ ولو ثبوا	کیا اور نہ حضرت عثمانؓ سے قسم لی (بلکہ) دفعۃً وہ
علیه فقتلوه۔ وقد سمعت	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کود پڑے اور انکو شہید
ما عبته به فلیس کذلك	کر دیا اور میں نے ان الزاموں کو سنا جو تم نے اُن پر
بل هو لکل خیر اهل	لگائے ہیں جیسا تم کہتے ہو وہ ایسے ہرگز نہیں تھے
وانا اشهد کم و من	بلکہ وہ ہر ایک خوبی اور اور خیر کے مستحق تھے اور میں تمکو
حضر۔ انی ولی لابن	اور جو بھی موجود ہیں ان سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں
عفان فی الدنیا والاخرة	ابن عفان کا ولی اور حامی ہوں دنیا میں بھی اور آخرت
وولی اولیاءه وعدو	میں بھی اور جو اُن کے حامی ہوں ان کا میں حامی ہوں
اعداءه	اور جو ان کے دشمن (مخالف) ہیں اُن کا میں دشمن
قالوا فبرئ الله	ہوں (حضرت عبداللہ بن زبیر کے اس واشگاف جواب
منك یا عدو الله	کے بعد آپکو خطاب کرتے ہوئے) خوارج نے کہا تجھ سے اللہ بیزار ہے اے دشمن خدا۔
قال فبرئ الله منکم	حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔
یا اعداء الله وتفرق	خدا کے دشمنو! خدا تم سے بیزار۔
القوم۔	پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے۔

(ابن جریر ص۵۵ و ص۵۶ ج ۷۔ تاریخ الکامل لابن اثیر ص۶۵ ج ۴ و ص۳۳۶ مطبوعہ الادارۃ المنیریہ)

معلوم ہوتا ہے کچھ اعتراضات رٹا دیئے گئے تھے۔ خوارج کے خطیب نے انہیں رٹے ہوئے

اعتراضات کو دہرا دیا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت ان کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ پہلے بار بار دیئے جا چکے تھے مختصر طور پر تردید کر دی کہ ان پہ کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ ہر ایک الزام سے بری ہیں۔ اب تعجب یہ ہے کہ حضرت علامہ مودودی صاحب سوا تیرہ سو برس پہلے خوارج کے رٹے ہوئے سبق کو نہ صرف دہرا رہے ہیں بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لئے قلم کی جولانیوں کو کام میں لا رہے ہیں اور ان کے برخلاف سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو صفائی پیش کی وہ سب گاؤخورد۔ گویا کسی کتاب میں موجود ہی نہیں۔ یعنی الزام بہرحال ثابت اور ان کا جواب ناقابل التفات۔

مروان کی شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوتی، وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان ابن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے ایسے کام کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی۔ حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اوّلین کے لئے مشکل ہی قابلِ برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر دوسرے لوگ تو درکنار، خود حضرت عثمان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہی رائے رکھتی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے۔ نہ ہیبت نہ محبت۔

(ص ۱۱۵ و ص ۱۱۶)

تبصرہ

اس تحریر کے متعلق مودودی صاحب نے کتابوں کے حوالے تو دیئے کہ فلاں فلاں کتاب سے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ مگر ایسی مثال جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے محل نرم مزاجی یا مروان کی جرأتِ بیجا اور فتنہ انگیزی وغیرہ ثابت ہو، نہ مودودی صاحب نے پیش کی نہ ان کتابوں میں کوئی ایسی مثال دی گئی ہے

جن سے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ فقط کہہ دینے اور لکھ دینے سے الزام ثابت نہیں ہوتا اور جو باتیں ان کتابوں میں لکھی گئی ہیں اگر انہیں کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس الزام کے سلسلہ میں بھی مودودی صاحب نے اور ان لوگوں نے جن کی تقلید مودودی صاحب کر رہے ہیں سراسر غلط بیانی کی ہے۔

مودودی صاحب مروان کی ان باتوں کو شورش کے اسباب میں شمار فرما رہے ہیں اور انداز بیان یہ ہے کہ گویا مروان کی یہ حرکتیں عرصہ دراز تک مسلسل ہوتی رہیں۔ حالانکہ وہ باتیں جو بطور مثال پیش کی جاتی ہیں اس وقت کی ہیں جب شورش برپا ہو چکی تھی اور وہ صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا نقشہ خود مودودی صاحب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

۱۔۔ اس تحریک (حضرت خلیفہ سوم کو معزول کرنے ورنہ شہید کر دینے) کے علمبردار مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقہ یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان پر دباؤ ڈالیں۔

۲۔۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دیئے جا سکتے تھے اور بعد میں دیئے گئے (جو پچھلے صفحات پر گذر چکے ہیں ۔ محمد میاں) پھر باہمی قرار داد کے مطابق یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی، مصر، کوفہ اور بصرہ سے بیک وقت مدینہ پہنچے۔

۳۔۔ یہ کسی علاقے کے بھی نمائندے نہیں تھے بلکہ سازباز سے انہوں نے ایک پارٹی بنائی تھی۔

۴۔۔ جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایک الزام کا جواب دیکر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی، مدینہ کے مہاجرین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل وعقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

۵۔۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انہوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ میں تمہاری ہر شکایت کو دُور کرنے کے لئے تیار ہوں جو صحیح اور جائز ہو، مگر تمہارے کہنے سے میں معزول نہیں ہو سکتا۔

۶ — اس پر ان لوگوں نے چالیس روز تک ایک ہنگامہ برپا کئے رکھا جس کے دوران میں ایسی ایسی حرکات ان سے سرزد ہوئیں جو مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ کی توہین کی اور حضرت عائشہ یہ کہہ کر مدینہ سے چلی گئیں کہ اس طوفان بدتمیزی میں کیا میں اپنی بھی توہین کراؤں۔ آخر کار ان لوگوں نے ہجوم کر کے سخت ظلم کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ تین دن تک ان کا جسدِ مبارک تدفین سے محروم رہا اور قتل کرنے کے بعد ظالموں نے ان کا گھر بھی لوٹ لیا۔ ص۱۱۷ و ص۱۱۸

معترضہ | ۱ — مودودی صاحب کی اصل عبارت میں نمبر نہیں ہیں، نمبر ہم نے لگا دیئے ہیں۔

۲ — یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ بلوائیوں کے گروہ کی آمد تک مروان کی کسی تحریر تقریر یا فتنہ انگیزی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

۳ — مودودی صاحب کی اس تحریر کو دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔ ۲ و ۳ میں مودودی صاحب اعتراف کر رہے ہیں کہ شورش برپا کرنے والے تقریباً دو ہزار افراد تھے۔ یہ کسی علاقے کے بھی نمائندے نہیں تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد تھی۔ الخ

(۱) اب انصاف فرمایئے، فتنہ کا سبب یہ لوگ تھے یا مروان کی سیکرٹری شپ اور ان کی فتنہ انگیز تقریریں وغیرہ۔

(۲) مودودی صاحب کے قلم سے ایک صحیح بات نکل گئی، مگر افسوس یہ ہے کہ مودودی صاحب خود اس صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مودودی صاحب اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ یہ دو ہزار افراد جو کہ کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے عبداللہ بن سبا کے تربیت دادہ اور اس کی پارٹی کے تھے تو پھر خود ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ وہ الزامات لگا رہے ہیں وہ سب غلط ہیں اور یہ پوری کتاب جو

انہوں نے لکھی ہے، دفتر بے معنیٰ ہے۔

مروان کی یہ حرکتیں کب ہوئیں مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ آپ اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے میری مدد کریں۔ انہوں نے جواب دیا سب کچھ مروان بن الحکم، سعید بن العاص۔ عبداللہ بن عامر اور معاویہ کی بدولت ہو رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کی بات مانتے ہیں اور میری نہیں مانتے۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔ اچھا اب میں تمہاری بات مانوں گا۔ اس پر حضرت علیؓ انصار و مہاجرین کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر مصر سے آنے والے شورشیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو واپس جانے کے لئے راضی کیا۔ (خلافت و ملوکیت ص۳۳۲)

معترضہ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ لوگ واپس جانے کے لئے راضی ہو گئے اور واپس بھی ہو گئے لیکن پھر لوٹ آئے اور نعرے لگاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے اور یہ کہ جو ہمارے مقابلہ پر نہیں آئے گا۔ وہ مامون ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تم کیوں واپس آ گئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ایک خط پکڑا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خط وغیرہ کچھ نہیں یہ تمہاری سازش ہے۔ تم مدینہ ہی میں سے یہ طے کر کے گئے تھے کہ اس طرح ایک بہانہ بنا کر واپس ہونگے۔ ان لوگوں نے کہا آپ جو کچھ بھی خیال کریں ہم تو اسکو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ طبری ص۱۰۵ ج ۵۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

> اسی زمانہ فتنہ میں ایک اور موقع پر حضرت علی سخت شکایت کرتے ہیں کہ میں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں اور مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے آپ خود منبر رسول پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی کے دروازے پر کھڑا ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص۳۳۲)

خلاصہ: معاملہ کو سلجھانے اور مروان کے گالیاں دینے کی تفصیل تو بعد میں عرض کی جائے گی یہاں یہ بات واضح کرنی ہے کہ مروان کی یہ حرکتیں جو کچھ بھی ہوئیں شورش اور فتنہ کے زمانہ میں ہوئیں

لہٰذا ان کو اس انداز سے بیان کرنا کہ گویا ایک عرصہ سے یہ باتیں مروان کی طرف سے ہو رہی تھیں حتیٰ کہ ان کی بنا پر شورش ہوئی یا شورش برپا کرنے میں وہ مددگار ثابت ہوئیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ شورش کے بانی تو وہی ہیں، جن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ شورہ پشت تھے۔ تخریب پسند جو بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے، جب وہ مدینہ پر چھا گئے تب یہ باتیں ہوئیں ہیں جن کو مروان کی فتنہ انگیزی کہا جا رہا ہے۔ مروان کی یہ باتیں اگر ثابت بھی ہو جائیں جو بیان کی جاتی ہیں تو وہ دفاع کے وقت کی ہیں ان کو بلوائیوں کے اقدام کا سبب بتانا قطعاً غلط ہے۔ ●●

درخواستِ دعاء

جناب محترم حکیم شریف الدین صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی ضلع سرگودھا گذشتہ چند ہفتوں سے علیل ہیں۔ خاصی تکلیف رہی ہے۔ حضراتِ قارئین سے التماس ہے کہ ان کے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحتِ کاملہ عاجلہ اور عمر طویل نصیب کرے۔ آمین　　(ادارہ)

مکمل سوانح حیات
حضرۃ مولانا مفتی محمود وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد
تقریظ: علامہ مولانا شمس الحق افغانی۔
پیش لفظ: حضرۃ مولانا غلام غوث ہزاروی
ترتیب: ضیاء الرحمٰن فاروقی
فاروق پبلیکیشنز۔ سمندری، قاسم بازار ضلع لائلپور

بہترین و بارعایت طباعت کا مرکز
المکہ پریس
۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

ہمارے یہاں ٹیکسٹائل ملز کے سپیئر پارٹ اور ہر قسم کے سپرنگ تیار ہوتے ہیں
پاکستان سپرنگ مینوفیکچرنگ کمپنی
برانڈرتھ روڈ، رام گلی نمبر ۱، لاہور: فون 66065

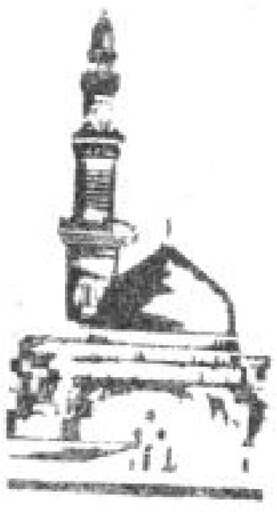

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(محترم سعید اقبال سعید)

محفلِ مہتاب و انجم میں نمایاں آپ ہیں
پھول میں نسرین میں نرگس میں خنداں آپ ہیں

نور و نکہت آپ ہیں جانِ گلستاں آپ ہیں
موسمِ گل آپ ہیں فصلِ بہاراں آپ ہیں

سب سے اعلیٰ آپ ہیں سب میں نمایاں آپ ہیں
آپ سا کوئی نہیں شہکارِ یزداں آپ ہیں

جانِ رحمت آپ ہیں رحمت بداماں آپ ہیں
میزبانِ اللہ ہے تو اس کے مہماں آپ ہیں

آپ کی خاطر بنایا ہے جہاں اللہ نے
سچ تو یہ ہے باعثِ تعمیرِ انساں آپ ہیں

داستانِ آدم و حوا بڑی دلچسپ ہے
داستانِ آدم و حوا کا عنواں آپ ہیں

اس اندھیری رات کے سینے سے پھوٹے گی کرن
اس اندھیری رات کی صبحِ درخشاں آپ ہیں

آپ کی یادیں ہیں سرمایہ مرا حاصل مرا
میری دنیا آپ ہیں دل آپ ہیں جاں آپ ہیں

اس جہانِ رنگ و بو میں جس طرف بھی دیکھیے
عطر افشاں گل بداماں کیف ساماں آپ ہیں

دل مرا خاموش ہے اور لب پہ ہے ذکرِ رسولؐ
دل میں گویا آپ ہیں لب پر نمایاں آپ ہیں

قوم کا غم بھی ہے انکو اور خوشی بھی ہے سعید
گل میں خنداں آپ ہیں شبنم میں گریاں آپ ہیں

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ: قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الاندلسی
مترجمہ: محترم نور محمد صاحب غفاری ایم اے، بہاولنگر

الباب الاوّل

فی ثناء اللہ تعالیٰ علیہ واظہارہ عظیم قدرہ لدیہ

پانچویں فصل

(یہ فصل ان قسموں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نزدیک قدر و منزلت ثابت کرنے کے لئے ذکر فرمائی ہیں۔)

آیات کا پہلا سلسلہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝

قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب ڈھانک لیوے نہیں چھوڑا تجھ کو تیرے پروردگار نے اور نہ ناخوش رکھا۔ اور البتہ پچھلی حالت بہتر ہے واسطے تیرے پہلی حالت سے۔ اور البتہ شتاب دیگا تجھ کو رب تیرا پس راضی ہوگا کیا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی اور پایا تجھ کو فقیر پس غنی کر دیا۔ پس جو یتیم ہے پس اس پر مت قہر کر اور جو مانگنے والا ہے پس اسے مت ڈانٹ اور جو نعمت پروردگار کی ہے پس بیان کر۔

(ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ دہلوی)

شانِ نزول: اس سورۃ کے شانِ نزول کے بارے میں مفسرین حضرات میں اختلاف رائے ہے، مگر یہ دو اقوال مشہور ہیں۔

(ا) کسی جسمانی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) چند راتیں تہجد نہ ادا فرما سکے تو ایک مشرکہ (جو پہلے آپ کو روزانہ تہجد ادا کرتے دیکھتی تھی) نے (یہ دیکھ کر کہ آپ کچھ دنوں سے تہجد۔ جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کی مظہر اتم ہے — کے لئے نہیں اٹھتے) کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اللہ تو اس سے ناراض ہوگیا" (نعوذ باللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ب) کچھ عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہ ہوئی (شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبیدہ خاطر ہوئے) تو مشرکین نے کہا۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

فقیہ قاضی حضرت عیاضؒ — اللہ انہیں کارِ خیر کی توفیق سے نوازے — فرماتے ہیں۔ اس سورۃ میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی، علو، تعریف اور علو مرتبت سات وجوہ سے ہیں۔

پہلی وجہ — اللہ تعالیٰ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (کفار کے اذعان باطل اور خیالاتِ فاسدہ — کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا — کے خلاف آپ کی اس حالت (کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے) کی خبر قسم کھا کر دی۔ والضحیٰ ٥ واللیل اذا سجیٰ ٥

اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح آپ کو خوش کرنے کے لئے قسم کھانا — ان عالی درجات کی نشاندہی کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے۔

دوسری وجہ — اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نزدیک بڑائی اور خاص قرب کا بیان کرنا ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ٥ نہ تیرے پروردگار نے تجھے چھوڑا نہ تجھ سے بیزار ہوا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھوڑا نہ آپ سے اسے بغض ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنانے کے بعد آپ کو چھوڑا نہیں (جیسے ان مشرکین کا خیال ہے)

تیسری وجہ — وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۔ اور آپ کی دوسری حالت آپ کی پہلی حالت سے بہتر ہوگی۔

ابن اسحاقؒ (یہ اہلِ مغازی کے امام ہیں رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دنیا میں بزرگی و برتری عطا فرمائی ہے آخرت کا اکرام و اعزاز اللہ تعالیٰ کے ہاں اس

سے بڑھ کر ہے۔"

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں۔ "قیامت کے دن جو آپ کو شفاعت عظمٰی کا تاج پہنایا جائیگا اور جس مقامِ محمود پر آپ کو جلوہ افروز کیا جائے گا وہ دنیا میں جو آپ کو عظمت و برکت ملی ہے اس سے شان میں کہیں بڑھ کر ہوگا۔"

چوتھی وجہ — ولسوف یعطیك ربك فترضى ۝ "آپ کا پروردگار آپ کو وہ کچھ عنایت فرمائے گا جس سے آپ خوش ہو جائیں گے"۔ یہ آیت دارین کی بزرگی کی ہمہ قسم کی وجوہ، سعادت کی تمام انواع اور انعام و اکرام کی ساری کی ساری اقسام کو شامل ہے۔ ابن اسحاقؒ صاحب مغازیؒ فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں فتوحات دینی و دنیوی اور آخرت میں (نیک اعمال کے) ثواب سے خوش کریگا۔"

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو حوض کوثر کی نعمت اور شفاعتِ کبریٰ کا منصب عطا فرمائیں گے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ قرآن مجید میں کوئی دوسری آیت ایسی نہیں جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ با امید اور خوش کیا ہو جتنا آپ اس آیت سے ہوئے کہ آپ کو اب یوں محسوس ہونے لگا کہ آپ کا کوئی اُمتی بھی جہنم میں نہیں جائے گا (کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو راضی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور آپ تو اسی صورت میں راضی ہوں گے۔ جب آپ کی امت کی بخشش ہو۔ واللہ اعلم)

پانچویں وجہ — اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ [1] کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا اور آپ کو انجان پایا تو آپ کو راہ سوجھائی اور آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جو نعمتیں پہلے شمار کی ہیں اور مندرجہ بالا مذکورہ آیات میں ان نعماء کا بار بار اعادہ فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر نعماء کا بیان آپ کی کرامت کے لئے کیا جا رہا ہے۔

---

[1] - یہ آیات ہم نے ترتیب کے لئے لکھی ہیں حضرت مؤلف نے نہیں لکھیں۔ (غفاری عفی عنہ)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے احکام شرعیہ سے بے خبر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہی بخشی آپ کو ہدایت ملی یا آپ کے طفیل دیگر انسانوں کو ہدایت ملی (جیسے کہ مفسرینؒ نے اس آیت کے لفظ "فھدیٰ" کے مشارٌ الیہ میں اختلاف کیا ہے۔)

آپ تنگدست تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال عطا فرما کر تونگر بنا دیا یا آپ کے سینہ کو قناعت اور غنائے نفس سے بھرپور عطا فرما دی۔

پھر آپ عہد طفولیت میں یتیم تھے تو آپ کے چچا ابو طالب کو آپ پر مہربان کر دیا اور انہوں نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ بعض مفسرین نے "فاویٰ" کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ "اللہ ہی آپ کا ملجاء و ماویٰ بنا۔"

مفسرینؒ نے یہ بھی کہا ہے۔ "آپ ایسے یتیم تھے جن کی مثال نہیں ملتی (یعنی دونوں ماں باپ فوت ہو گئے۔ نہ بڑا بھائی نہ بہن اور نہ کوئی دوسرا پرسانِ حال صرف چچا تھا واللہ اعلم) مگر ہم نے ابو طالب کے دل میں آپ کے لئے رحم ڈال کر انہیں آپ کا کفیل بنایا۔

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ان آیات کے معنے یہ ہیں "کیا ایسا نہیں ہوا کہ آپ کو بے خبری سے خبردار اور مفلسی سے تونگر بنایا اور قیامت میں کفالت کا سامان بہم پہنچایا۔ الغرض ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان احسانات اور انعامات کا تذکرہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے اور ان انعامات کا علم تفسیر سے (جو ان انعامات والی آیات کی کی گئی ہے) سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے آپ کو نہ صغر سنی میں چھوڑا نہ غربت میں بن مال رہنے دیا نہ قیامت میں بے سہارا چھوڑا اور نہ بغیر معرفت احکام الٰہیہ کے رہنے دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں آپکو چھوڑا نہ آپ سے رنجیدہ ہوتے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ جب اس نے آپ کو اپنا برگزیدہ بنا لیا تو آپ سے ناراض ہو یا آپ کو چھوڑ دے؟

چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بے پایاں نعمتیں کیں ان کے اظہار کا حکم اور جو آپ کو بزرگی بخشی اس کے بیان کا حکم دیا اور اس کی شہادت اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاما بنعمۃ ربك فحدث (پس اپنے پروردگار کی نعمتوں کو ظاہر کرتے رہو) سے ملتی ہے، کیونکہ نعمت کے شکر سے اس کی تحدیث ہوتی ہے۔ یہ حکم (تحدیث نعمت کا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص اور امت کے لئے عام ہے۔

(حضرت قاضیؒ نے ساتویں وجہ نہیں لکھی۔ (غفاری عفی عنہ)۔)

(یہاں تک ان قسموں کا بیان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان اور علو مرتبت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ "والضحیٰ" میں ذکر فرمائی ہیں۔)

آیات کا دوسرا سلسلہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

(النجم - ا تا ۱۸)

قسم ہے تارے کی جب گرے۔ نہیں بہکا تمہارا صاحب اور نہ راہ سے پھرا وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ محض بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے اس کو سخت قوت والے نے سکھایا ہے۔ صاحب قوت ہے تو پورا نظر آیا اور وہ بلند کنارے پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا پس اتر آیا پس تھا بقدر دو کمان کے یا اس سے بھی قریب پس وحی پہنچائی ہم نے اپنے بندے کی طرف جو پہنچائی۔ دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔ کیا تم جھگڑتے ہو اس سے اس بارے میں کہ جو اس نے دیکھا ہے؟ اور البتہ بالیقین دیکھا ہے اس نے اسکو ایک بار اور سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک۔ نزدیک اس کے ہے جنت الماویٰ۔ جس وقت کہ ڈھانکتا تھا بیری کو جو کچھ ڈھانک رہا تھا۔ نہیں کجی کی نظر نے نہ زیادہ بڑھ گئی۔ یقیناً دیکھی اس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی کو۔

والنجم اذا ھوی ۝ میں لفظ "النجم" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں مثلاً:

۱۔ "نجم" اپنے ظاہری معنیٰ (ستارہ) میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ "نجم" سے مراد قرآن مجید ہے۔

۳۔ حضرت جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں یہاں "النجم" سے مراد جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

۴۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں "نجم" سے مراد جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا "دل" ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ — قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ اے مخاطب تو کیا جانے طارق کیا ہے۔ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔

(الطارق ۱ تا ۴)

میں بھی "نجم" سے مراد یہاں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

حضرت سلیمیؒ حکایت کرتے ہیں کہ یہ آیت (والنجم اذا ھویٰ تا لقد رایٰ من ایات ربہ الکبریٰ) جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی نہ ختم ہونے والے فضل اور شرف کو بیان کرتی ہیں۔ ان ایات میں اللہ جل اسمہٗ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت یافتہ ہونے، خواہشات نفس سے پاک ہونے اور آپ کے سچا ہونے پر یہ قسم ذکر کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کا قول، فعل اور تقریر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ ارشاد ہے:

ان ھوا الا وحی یوحی ۝ اور یقیناً وہ تو وحی ہے جو بھیجی گئی۔

اور یہ وحی آسمان سے آپ تک جبرائیل علیہ السلام — جو بڑی قوت والے ہیں — لاتے ہیں (لہٰذا وہ کسی قسم کی ملاوٹ اور خرد برد سے پاک ہے)

پھر انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء (معراج) کا واقعہ بیان کر کے آپ کی بزرگی کا اظہار فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ پھر جو کچھ آپ نے اسراء کے دوران ملاحظہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمادی کہ آپ کی مبارک آنکھ نے جو دیکھا حق دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ اور آپ نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

اسی قسم کا مضمون سورہ "الاسراء" کی ابتدائی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عجائبات دکھائے۔

ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندہ کو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد اللہ تعالیٰ نے اپنی برکات پھیلا رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھا سکیں۔ یقیناً وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

(الاسراء: ۱)

جب تمام پردے اٹھا دیئے گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی قہاری کے کیا کیا نقشے دیکھے۔ ملکوت کے کن کن عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ یہ وہ مشاہدات تھے جن کا طویل عبارات احاطہ کر سکتی ہیں نہ انسانی قوت سماعت۔

اور قوتِ تخیلیہ سے انکا ادراک ممکن ہے۔ ان تجربات کی عظمت کی طرف قرآن حکیم میں اشارات کئے گئے ہیں (جن سے انسانی عقل اس پر عظمت واقعہ کا ایک ہیولی اور خاکہ تیار کرتی ہے جو ہر انسان کی اس کی اپنی رسائی کے مطابق ہوتا ہے۔ فکر ہر شخص بقدر ہمت او ست (واللہ اعلم)

فاوحی الی عبدہ ما اوحی ۔ اور یہ رمز و کنایہ کے ذریعہ بات کرنا۔ کلام کی وہ قسم ہے جسے اہل نقد و بلاغت "وحی" یا "اشارہ صریح" کہتے ہیں۔ وحی اصحابِ بلاغت کے نزدیک ایجاز[1] کے ابواب میں سب سے زیادہ بلیغ ہے۔

لقد رای من آیات ربه الکبری ۔ اس کے پروردگار کی وہ بڑی بڑی نشانیاں کیا تھیں؟ افہام ان کی تفصیل اور تشریح و توضیح سے تھک چکے ہیں اور تصورات ان کے تعین سے عاجز ہیں۔

قاضی ابو الفضلؒ فرماتے ہیں یہ آیات سابقہ والنجم الی آیات ربه الکبری ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تطہیر ذات، علو نفس اور اس خدائی تحفظ کی خبر دیتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران معراج حاصل

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

---

[1] ایجاز ۔ بہت سے معانی کو تھوڑے الفاظ میں سمو دینے کو ایجاز کہتے ہیں۔ اسکی دو قسمیں ایجاز قصر اور ایجاز حذف ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حُسین احمد مدنی قدّس سرّہٗ کی ایک تقریر

اِحسان و تصوُّف

مرسلہ: جناب الحاج عبد الکریم صاحب صابر، ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

پیش لفظ

(از حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہٗ)

حامداً و مصلیاً۔ مادہ پرست دنیا کی منڈی میں ہر جنس موجود ہے۔ ہر ایک سامان کی فراوانی ہے حیرت انگیز مصنوعات سے بازار پٹے پڑے ہیں۔ زیبائش و آرائش اور عیش و عشرت کے حسین اور نازک سامانوں سے شاندار دکانیں سجی ہوئی ہیں۔ لیکن محروم القسمت انسان کو جس چیز کی تلاش ہے۔ افسوس وہ اس پوری منڈی میں مفقود ہے۔

اطمینان و سکون کی خوشگوار زندگی افسوس نہ کسی بازار میں ہے اور نہ کسی کوٹھی۔ یا ہوٹل میں۔ شیخ سعدیؒ نے سات سو برس پہلے کے زمانہ میں کہا تھا۔ "آنانکہ غنی تراند محتاج تراند" زمانہ کی ترقی نے اس میں یہ ترمیم کر دی۔ "آنانکہ غنی تراند پریشان تراند"

دنیا کے سب سے زیادہ دولتمند اور طاقتور ملک "امریکہ" کے سابق صدر "روزویلٹ" کی پریشانی یہاں تک بڑھی کہ ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور وہ بیٹھے بیٹھے رخصت ہو گئے اور برطانیہ عظمٰی کے وزیر اعظم "ریڈن" کو کسقدر پریشانی ہوتی ہوگی۔ جب ان کو اس وزارتِ عظمٰی سے استعفاء دینا پڑا۔ جو سالہا سال کی محنت کے بعد ترقی کرتے کرتے حاصل ہوئی تھی۔

آج جبکہ اطمینان اور سکون قلب کی یہ جنس گرانمایہ نہ کسی سرمایہ دار کی تجوری میں ہے اور نہ کسی صاحب اقتدار کے ایوان حکومت میں تو کیا "عنقا" کی طرح ایک "طائر موہوم" ہے۔ جس کا نام بہت مشہور ہے، مگر حقیقت یکسر مفقود ہے؟

بیشک! مادہ پرست دنیا کا جواب یہی ہوگا۔ لیکن قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو بشارت دیتا ہے کہ اطمینان وسکون قلب کا وہ "کوہ نور" جس کے حاصل کرنے سے پوری دنیا اور اس کے تمام جدید و قدیم ذرائع آج تک عاجز و درماندہ ہیں۔ اس کے خزانے اس کے دامن میں موجود ہیں۔ تم بھی ان خزانوں سے اپنے دل و دماغ کی جیبیں بھر سکتے ہو۔ شرط صرف یہ ہے کہ ایمان صحیح کے ساتھ عمل صالح ہو اور عمل صالح کی رگوں میں ذکر اللہ کی روح کار فرما ہو۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ۔

(سورہ رعد)

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوشگواری ہے۔ اور نیک انجام۔

کس قدر آسان نسخہ ہے، مگر افسوس اور حیرت وتعجب ہے کہ خود قرآن حکیم کے ماننے والے اس نسخہ سے بے خبر ہیں۔ وہ دنیا کے ہر بازار میں بھٹکتے پھر رہے ہیں، مگر ان دونوں (ایمان اور عمل صالح) کا رخ نہیں کرتے جن کا بازار اللہ عزوجل نے سجایا ہے۔

بدنصیبی کی انتہا ہوگئی کہ بہت سے وہ مدعی جو اسلام کے نام پر جماعت قائم کرنے کے لئے سرگرداں ہیں، اپنے تجویز کردہ نسخے تو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور وہ قیمتی اور خاندانی نسخے جن کو صدہا سال کے تجربوں نے اکسیر ثابت کر دیا ہے۔ جن کے ذریعہ ہزاروں، لاکھوں نا آشنا، آشنا اور بے شمار مردہ دل ابدی اور لازوال زندگی حاصل کر چکے ہیں، سراسر ان کے وجود ہی سے انکار کر رہے ہیں۔

سلوک وطریقت کے وہ طریقے جو قرآن حکیم کی اس بشارت کی عملی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں مشکوک ہیں اور وہ سلسلہ بیعت جو عمل صالح میں ذکر اللہ کی روح پیدا کرتا ہے ان کے نزدیک ناجائز

اور بدعت مخترعہ ہے۔

دورِ حاضر کے مرشدِ کامل اور شیخِ طریقت جو نہ صرف نمونۂ اسلاف بلکہ مسلکِ اسلاف کے سب سے بڑے حامی اور بلند پایہ محافظ ہیں۔ یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔

ان صفحات میں آپکی ایک تقریر پیش کی جارہی ہے۔ آپ نے اس تقریر میں احسان و تصوّف بیعت اور مشاغلِ طریقت کے متعلق کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سبق آموز بحث فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق بخشے کہ ہم اس سے سبق حاصل کرکے حیوٰۃِ طیبّہ اور اطمینانِ قلب کی دولت لازوال سے ہمکنار ہوں۔

محمّد میاں عفی عنہ

۵ رجب ۱۳۷۶ھ - ۶ فروری ۱۹۵۷ء

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علےٰ

عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں کچھ بیعت اور سلوک و طریقت کے متعلق عرض کروں۔ آجکل کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے اور جو لوگ تصوف و طریقت کے ذمہ وار ہیں ان کے افعال و اطوار، حرکات و سکنات شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

بیعت نام ہے اس کا کہ شریعت کی کسی بات کے لیے عہد لیا جائے کہ وہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیں گے یا کسی خاص دینی مسئلہ کا، کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہت سے مواقع میں ایسا کیا ہے، چنانچہ حدیبیہ کی لڑائی کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور موت آجائے تو اسے اختیار کریں گے اور اسلام کی سربلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادیں گے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ فتح میں فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔	اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا۔ جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور اسوقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو فتح قریب عطا ہوئی۔

اسی سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔ (الآیہ)	اے نبی جب عورتیں تمہارے پاس آئیں اور عہد کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی۔

زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچوں کو مرد عورت (ماں باپ) فقر و فاقہ کی وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے۔ فرمایا گیا۔

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ — فاقہ کے خوف سے اپنے بچوں کو مت مار ڈالو۔

اسی طرح اور برائیوں میں لوگ مبتلا تھے۔ عہد لیا گیا کہ ان سب سے علیحدہ ہو کر جناب رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تابعداری کریں گی۔ ان آیتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ ان عورتوں سے بیعت لیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے۔ پس معلوم ہوا کہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ ان بارہ۱۲ صحابہ کرام میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں شریک تھے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اسلام کا داعی اور مبلّغ (نقیب) بنا کر بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک تھے جن کی مغفرت کا دنیا ہی میں اعلان ہو چکا تھا۔ یہی حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آپ کے گرد حاضر تھی۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا۔ ولا تزنوا	مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہیں گردانو گے۔ سرقہ اور زنا کا ارتکاب

ولا تقتلوا اولادکم ولا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذالک شیًا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ ۔ ومن اصاب من ذلک شیًا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ فبایعنا علی ذلک ۔

(بخاری شریف ۔ کتاب الایمان)

نہیں کروگے اور اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہ کروگے اور بہتان نہ باندھوگے ۔ اور کسی بھی اچھے کام میں نافرمانی اور حکم عدولی نہیں کروگے پس جو شخص اس عہد کو پورا کرے اس کا ثواب اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی جُرم کا مرتکب ہو جائے پس اگر دنیا میں اس کو اس کی سزا مل گئی تو وہ کفارہ ہو سکتی ہے ۔ اور جو شخص ان میں سے کسی جرم کا مرتکب ہو جائے (اور اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کرلی) تو پھر اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے معاف کرے اور اگر چاہے سزا دے ۔ (راوی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ یہ ارشاد ختم کر چکے تو ہم نے آپ سے ان باتوں پر بیعت کی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں سے مختلف چیزوں پر بیعت لی ہے ۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی، اس بات پر کہ ہم ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے اور حفاظت کریں گے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے بچیں گے ۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے دریافت کیا گیا کہ حدیبیہ میں کس چیز پر بیعت کی تھی ؟ تو کہا، موت پر، یعنی اس پر کہ مرجائیں گے، لیکن بھاگیں گے نہیں ۔ کبھی بعض خاص باتوں پر بیعت کی، کبھی پوری شریعت پر، کسی سے اس پر بیعت کی کہ کسی سے کوئی چیز مانگیں گے نہیں ۔ اس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کسی کا کوڑا گر جاتا تھا، وہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو خود ہی اتر کر اٹھاتے تھے، یعنی کسی کو اٹھانے کیلیے نہیں کہتے تھے کہ کہیں یہ بھی سوال نہ ہو ۔ مختلف جگہوں میں مختلف طریقہ سے قرآن اور حدیث میں ذکر آیا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیعت کی ۔ کبھی کچھ چیزوں کے لیے کبھی پوری شریعت کے لیے ۔

بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے ۔ قرآن واحادیث میں بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، جن سے

بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے۔
بیعت اس بات پر ہوتی ہے کہ شریعت کے حکموں کی تعمیل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے اور شریعت پر چلیں گے۔ اسی کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے۔ بیعت کے طریقے ہر زمانے میں جاری رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں نے مسلمانوں سے اس سلسلہ میں عہد لیے ہیں۔

بیعت کون لے سکتا ہے | بیعت کا ہر شخص کو حق نہیں۔ بیعت لینے کا حق اسی کو ہے جو فسق و فجور سے بچتا رہا ہو اور کسی پیر کے پاس رہ کر کتاب و سنت کی روشنی میں تزکیۂ قلب حاصل کر چکا ہو اور اپنے مرشد سے نسبت باطنی حاصل کی ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ پر زمانہ سابق بیعت کی جاتی تھی۔ تمام صحابہ کرامؓ میں یہ اوصاف پائے جاتے تھے، مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خصوصاً یہ سلسلہ چلا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔

پیر یا شیخ | حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسن بصریؒ اور ان کے خلفاء رحمہم اللہ سے جو بیعت لیتے ہیں ان کو پیر کہتے ہیں۔ پیر کے معنی بڈھا کے ہیں اور عربی میں اُسے شیخ کہتے ہیں۔
چونکہ عموماً وہ شخص جو زیادہ دنوں تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں وقت گزارتا ہے اور تجربہ حاصل کرتا ہے اور پھر اشاعت و تبلیغ کا کام کرتا ہے۔ بوڑھا ہوتا ہے۔ اسی لیے اُسے پیر کہا جاتا ہے۔ پیر کسی شخص کا نام نہیں ہے۔ کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ جو شریعت کا پابند اور عرصہ دراز تک ریاضت کیے ہوئے ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کثرت سے اطاعت کرتا ہو اور دنیا کا حریص نہ ہو۔ اس قدر عبادت کی ہو کہ اس سے نسبت پیدا ہو گئی ہو۔ وہی پیر ہوتا ہے، مگر عرصہ دراز گذرنے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں اسی طرح طریقت کے اندر بھی کھرے کھوٹے پیدا ہو گئے۔
جو شخص شریعت پر نہ چلتا ہو اور نہ سنت کا تابعدار ہو وہ شخص بیعت لینے کا حقدار اور مستحق نہیں ہے حکم ہوا ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا تقوا اللہ وکونوا مع الصادقین	اے ایمان والو تقویٰ کرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو۔

پیر وہ ہوتا ہے جو ہر طرح سچا ہو۔ جس کے اندر فریب نہ ہو۔ پیر اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو سچا ہو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

ایمان کا درجہ اول ہے اور ثانوی درجہ تقویٰ کا ہے اور تیسرا درجہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کا ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ وابتغوا الیہ الوسیلہ سے مراد مرشد تلاش کرنا ہے چوتھا حکم ہے۔ "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو۔"

طریقت و تصوف سنّت قدیمہ ہے طریقت و تصوف نئی چیز نہیں ہے بلکہ پرانی ہی عرصہ سے چلی آتی ہے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا۔ اس کے کپڑے نہایت سفید تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے۔ ہم نے تعجب کیا کہ وہ باہر سے آئے ہوئے معلوم نہیں ہوتے تھے، کیونکہ ایسے آدمی کے جو سفر کر کے آیا ہو، کپڑے میلے اور گندے ہوتے ہیں۔ اس نے سوال کیا (ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟) آپؐ نے فرمایا۔

ان تؤمن باللہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ وتؤمن بالبعث بعد الموت والقدر خیرہٖ و شرّہٖ (اوکما قال)

ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اسکے کتب پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کے فرشتوں پر اور قیامت پر اور اچھی اور بُری تقدیر پر۔

اس کے بعد سوال کیا اسلام کیا چیز ہے۔ فرمایا:

ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ ان محمدًا رسول اللہ ولا تشرك بہٖ شیئًا و تقیم الصّلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم

یعنی تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور روزہ رکھو، زکوٰۃ دو۔

رمضان و تحج البیت ان استطعت اور استطاعت ہو تو حج کرو۔
الیہ سبیلا ۔

اس کے بعد سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے۔ فرمایا "تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھتے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھتے ہو تو وہ تم کو بہر حال دیکھ رہا ہے۔

احسان کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ دوسری آیت یہ ہے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم یکن تراہ فھو یراک کہ احسان نام ہے اس چیز کا کہ خدا کی عبادت مکمل خضوع وخشوع کے ساتھ انجام دو اور اس طرح عبادت کرو جس سے ظاہر ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو جیسے غلام آقا کو دیکھتا ہے تو نہایت توجہ سے کام کرتا ہے۔ کوتاہی نہیں کرتا۔ ہر عبادت کی تکمیل اس طرح کرو جیسے تم اپنے آقا و مالک کے دیکھنے کے وقت کرتے ہو۔

اور اگر تم کہو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ غلام کام کی تکمیل اس واسطے کرتا ہے کہ آقا اس کا ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔

اُسی احسان کے حاصل کرنے پر تمام تر تصوّف کا مدار ہے۔ آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضورؐ کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہوتے ہی احسان حاصل ہو جاتا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اتنی قوی تھی کہ جو حاضر ہوتا تھا اس کے قلب پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ تمام چیزوں کو بھول جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

حضرت حنظلہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی روز حاضر نہ ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اپنے آدمیوں کو یاد کرتے تھے۔ جب وہ ایک دو وقت نہیں آئے تو فرمایا حنظلہؓ کیوں نہیں آتے۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ابھی پوچھ کر آتا ہوں اور خبر لاتا ہوں چنانچہ وہ ان کے گھر گئے گھر والوں سے پوچھا کہ حنظلہؓ کہاں گئے۔ بیوی نے کہا کہ گھر میں سر جھکائے گوشہ میں بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ میں اندر جا کر دیکھوں۔ اندر گئے دیکھا بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ پوچھا کیوں نہیں آتے۔ حضرت حنظلہؓ نے کہا میں منافق ہو گیا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا

کیسے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو دنیا کی ساری باتیں فراموش ہو جاتی ہیں اور خدا سے تعلق رہتا ہے اور جب گھر آتا ہوں بال بچوں میں لگ جاتا ہوں تو یہ حالت نہیں رہتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہے اور پھر یہ بھی بیٹھ کر رونے لگے اور پھر فرمایا کہ ہماری تمام مشکلات کو حل کرنے والے وہی آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے پاس چلو رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آئی۔ چنانچہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہماری ایسی ایسی حالت ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم ہر وقت ایسے ہی رہو جیسے میرے سامنے رہتے ہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے، مگر یہ حالت وقتاً فوقتاً ہی ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب۔ اور صحابہؓ کے پاک اور صاف دل گویا آئینہ تھے۔ جب آفتاب نبوت کے سامنے پہنچتے تھے تو اور حالت ہو جاتی تھی اور جب الگ ہوتے تو اس میں فرق آجاتا تھا۔

مشاغلِ صوفیہ اور تزکیۂ نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار کام سپرد کئے گئے تھے جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۔

(۱) قرآن کریم کی آیتیں سناتے تھے ———— (۲) اللہ تعالیٰ کا کلام سکھاتے تھے (۳) حکمت کی باتیں بتلاتے تھے (۴) اور چوتھا کام یہ کہ دلوں کے میل کچیل دور کرتے تھے اور ان کو پاک و صاف کرتے تھے۔ یعنی رسول اللہؐ کی روحانی طاقت سے اہل ایمان کے دلوں کے میل کچیل دُور ہو جاتے تھے۔ غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی بُرائی دُور ہو جاتی تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر یہ تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے تو ہر چیز روشن معلوم ہوتی تھی جب تک آپ رہے سب چیزیں روشن معلوم ہوتی رہیں۔ وفات کے بعد جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مٹی ڈالی تو وہ روشنی جاتی رہی اور کہتے ہیں کہ ابھی ہم نے ہاتھوں سے مٹی نہیں جھاڑی تھی کہ خود ہمیں اپنے دل اوپرے معلوم ہونے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کے آفتاب تھے۔ صحابہ کرام نے ان سے روشنی حاصل کی۔ اسی بناء پر

اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص اسلام کے ساتھ چند منٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رہا ہو وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے متقی اور ولی سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ طاقت ور تھی۔ دل و دماغ روشن کرنے والی اُس لئے ریاضت کی زیادہ حاجت نہ ہوتی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اخلاص کے ساتھ مجلس میں حاضری ہو جائے۔

مگر جیسا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپ کی جُدائی کے بعد وہ روشنی نہیں رہی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے جتنا زمانہ دُور ہوتا گیا روحانی اور قلبی صفائی میں کمی ہوتی گئی۔ جس طرح صاف برتن کے صاف کرنے سے میل جلد دُور ہو جاتا ہے، عہدِ صحابہ کے صاف قلوب کو صاف کرنے کے لئے کسی خاص ریاضت کی ضرورت نہیں تھی، مگر جیسے جیسے میل بڑھتا اور جمتا گیا۔ ریاضت کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی۔

احسان۔ صفائی قلب اور تصوّف احسان کوئی چیز نہیں، دل کی ہی صفائی حاصل کرنے کا نام احسان ہے اور یہی تصوّف کا مقصد ہے۔ تصوّف کا مقصد کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ حدیث جبرئیل میں جو چیز مذکور ہے وہی یہ ہے، مگر زمانہ کے بُعد کی وجہ سے طبیعتوں میں میل زیادہ ہو گیا جس کی وجہ سے مانجنے کی ضرورت زیادہ ہو گئی۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو اصول تصوف میں ذکر کئے گئے ہیں یعنی بارہ تسبیحیں، ذکر جہری، پاس انفاس مراقبہ وغیرہ اس کا بھی کسی حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتراض غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاد کے لئے تلوار، تیر و کمان اور نیزہ وغیرہ کا تذکرہ آتا ہے۔ اور بندوق، مشین گن، گولہ بارود اور ہوائی جہاز کا کوئی تذکرہ نہیں آتا ہے۔ آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کی ضرورت پڑے تو آپ یہ کہیں گے کہ جنگ تلوار سے کرنی چاہیئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ فقط تلوار، نیزہ اور تیر و کمان سے کرتے تھے، ہرگز ایسا آپ نہیں کر سکتے اور اگر آج ایسا کریں گے تو دشمن آپ کو دُور ہی سے فنا کر دیں گے۔ مشین گن اور توپ وغیرہ سے اگر آپ پر دشمن حملہ کرے تو ہم کو بھی وہی چیز اختیار کرنی چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا ہے۔ "اَعِدّوالھم ما استطعتم من قوة" جو تم سے قوت ہو سکے دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیار کرو۔

مقصود جہاد سے اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ جس چیز سے بھی ہو اور جس چیز کی ضرورت پڑے اس کو استعمال

کرو جس سے دشمن کو شکست دے سکو اس کو مہیا کرو اور مقابلہ کرو۔

اسی طرح جس زمانہ میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو اس زمانہ میں تھوڑی ریاضت کی ضرورت پڑتی تھی اور اسی سے کام ہوجاتا تھا اور جتنے دن زیادہ گذرتے گئے ریاضتوں کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی۔ اسی وجہ سے چلّہ، بارہ تسبیح، ذکر جہری اور پاس انفاس وغیرہ قلب کی صفائی کے لیے متعین کئے گئے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف میں زیر و زبر نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کتابی شکل میں جمع کرایا۔ حضرت عثمانؓ نے ترتیب دیا، مگر زیر و زبر تب بھی نہیں لگائے گئے۔ صحابۂ کرامؓ کی زبان عربی تھی وہ بغیر زیر و زبر کے پڑھتے تھے جیسے کہ ہم اُردو زبان والے اردو کے صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ آج کوئی بنگالی، برمی یا انڈونیشیا والے سے کہا جائے کہ اردو کی صحیح عبارت پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکے گا۔ جس طرح ہم زیر و زبر کے نہ ہوتے ہوئے صحیح پڑھتے ہیں اسی طرح حضرت عثمانؓ کا قرآن جس میں نہ زیر نہ زبر نہ نقطہ کچھ بھی نہیں تھا۔ صحابہ کرامؓ صحیح پڑھتے تھے۔ مگر تھوڑے ہی زمانہ بعد اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ عجمیوں کے خلط ملط کی وجہ سے لوگ زیر و زبر کے محتاج ہوگئے۔ پس یہ اعتراض کہ قرآن میں زیر و زبر نہیں لگانا چاہیئے، کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں نہیں پائے گئے۔ تو کیا یہ اعتراض کوئی وزن رکھتا ہے۔ بیشک اس زمانہ کے لوگ بغیر زیر و زبر کے تلاوت کر لیتے تھے مگر آج مکہ اور مدینہ والے جن کی زبان عربی ہے وہ بھی بغیر زیر و زبر و نقطہ کے نہیں پڑھ سکتے۔ جس طرح ہم محتاج ہیں صرف و نحو کے اسی طرح عرب والے بھی محتاج ہیں اور وہ بھی بغیر زیر و زبر اور نقطہ کے نہیں پڑھ سکتے۔ تو زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احوال بدلتے رہتے ہیں، لیکن وہ احوال جو مقصود کو بدلنے والے نہ ہوں ان کو سنّت ہی کہا جائیگا۔ مثلاً کسی شخص نے روٹی پکانے والے کو متعین کیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لکڑی، چولہا، توا، سب چیزیں مہیا کریں، لکڑی نہ ملے۔ کوئلہ نہ ملے تو اوپلہ کو بھی استعمال کیا جائیگا۔ غرض جس چیز پر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کو طلب کیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احسان حاصل کرنے کے لئے ریاضت کی ضرورت نہیں تھی، مگر آج ہمارے مرشدوں نے بتلایا کہ اس طرح سے ذکر کرو۔ اگر کوئی کہے کہ بدعت ہے تو سراسر غلطی ہے۔

ذکر کی تاکید خدا نے ذکر کی کئی جگہ تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

واذکراللہ قیاماً وقعوداً الخ کھڑے اور بیٹھے کی کوئی قید نہیں۔

اسی طرح لفظ اللہ، سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ ضرب کے ساتھ ہو یا بلا ضرب ارشاد خداوندی کے تحت میں سب داخل ہے۔

دوسرے موقع پر قرآن پاک میں ہے۔ یاایھاالذین امنوا اذکراللہ ذکراکثیراً الخ۔

تیسرا ارشاد ہے۔ واذکرونی اذکرکم اگر تم مجھ کو یاد کروگے میں تم کو یاد کروں گا۔ کوئی قید نہیں کہ کس طرح سے ذکر کیا جائے۔ مطلقاً ذکر کا حکم ہے۔ ہمارے بڑے تجربہ کار لوگوں نے کہا ہے کہ ذکر سری سانس کے ساتھ اور ذکر خفی روح کے ساتھ کرو۔ بہرحال ذکر کوئی بدعت نہیں ہے جیسے کہ حکم دیا تھا جہاد کرنے کا دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے جہاد کرو چاہے تیر سے چاہے تلوار سے چاہے توپ یا مشین گنوں سے۔ جس طرح تم انجام دے سکو اور دشمن کو شکست دے سکو۔ جیسے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے تو زیر و زبر لگانا اور عکسی قرآن چھاپنا اسی کے حکم میں ہے۔ تم کو حج کا حکم دیا گیا ہے تو پہلے اونٹوں سے سفر کرتے تھے تو اس کی ضرورت اور آج جہازوں اور لاریوں پر سفر کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی بیوقوف کہے کہ یہ بدعت ہے۔ میں تو یہاں سے اونٹ پر سفر کرونگا تو کیا آپ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے جدہ پہنچنے کے بعد لاریوں سے سفر ہوتا ہے تو مقصود بیت اللہ کی حاضری ہوتی ہے۔ جس طرح ہو اس کو انجام دیا جائے مقصد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ زمانہ کی ضرورت کی حیثیت سے فرق پڑ گیا ہے۔

تو میرے بزرگو! آج یہ کہنا کہ تصوّف اور سلوک میں جو باتیں ہیں بدعت ہیں یہ غلط ہے۔ وہ مامور بہ ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہوگا، کیونکہ اصل مقصد تصوف میں احسان ہے اس کے حاصل کرنے کے جو طریقے خلافِ شریعت نہیں ہیں وہ سب ضروری ہیں، البتہ اگر کوئی شخص کہے کہ مجھ کو خدا تک پہنچنے کے لئے قوال ڈھول اور گانے والے کی ضرورت ہے تو یہ خلاف شریعت ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے تو جن چیزوں سے ممانعت کی گئی ہے وہ سنّت میں داخل نہیں ہیں۔

بیعت کے فوائد بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ یہ شبہ غلط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا انہوں نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں بیعت

کے فوائد بتلائے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس کی قبولیت کی وجہ سے خدا کی رحمت اس کی کفالت کرتی ہے اور اس کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ سے اسکی عصمت کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر اس کا مرشد بڑی عزت والا ہے تو اس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تیرا فلاں مرید خرابی میں مبتلا ہو رہا ہے اسکو نکالا جائے تو مرشد اس کو مناسب تدبیر سے اس خرابی سے نکالتا ہے۔ کبھی خود خداوند کریم ہی اس مرید کو خرابی سے بچاتا ہے۔ کبھی فرشتہ کو حکم دیا جاتا ہے یا کسی اور ذریعہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مثلاً مرشد کی صورت میں آکر فرشتہ اسے بچاتا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ زلیخا کے ساتھ مشہور ہے کہ اس نے سات کوٹھڑیوں میں بند کرکے وصال چاہا اور ان پر جبر کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ معاذ اللہ میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں؟ اسکی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ میں ظالم نہیں ہوسکتا ہوں۔ اس نے بہت مجبور کیا۔ پھسلایا اور پیچھا کیا اور قریب تھا کہ برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رأ برھان ربہ الخ۔ تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مقرر کیا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں آئے وہ سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دبائے ہوئے تھے اور اشارے سے کہہ رہے تھے کہ خبردار اسمیں مبتلا نہ ہونا حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسکی خبر بھی نہ ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے ان کو بچایا۔

حضرت سید شہیدؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی روحانی ذریعہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

بیعت کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ کونوا مع الصّادقین۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی پارٹی میں داخل ہوتا ہے تو اس پارٹی کے تمام بڑوں سے اس کے تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ بڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں تو آخرت والے جو خدا کے سچے بندے ہیں تو ان میں یہ بات کیونکر نہ ہوگی ——— ان میں تعلقات کی بات بہت اونچی ہوتی ہے۔ اگر تم اللہ کے کسی مقبول بندے کے ہاتھ بیعت ہوئے تو جماعت کے تمام بڑوں سے خواہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں سب سے تعلق ہو جاتا ہے اور وہ لوگ دعاء کرتے ہیں۔ اپنی ہمت سے خبر گیری کرتے ہیں۔

شریعت و طریقت میرے بھائیو! نہ بیعت بدعت ہے نہ طریقت بدعت ہے اور نہ طریقت شریعت سے جدا ہے۔ طریقت شریعت کی خادم اور اسکی تکمیل کرنے والی ہے۔ بڑے بڑے لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ان بزرگوں نے وہ طریقے جاری کئے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی حاصل ہو۔ ان طریقوں میں کوئی ذرّہ برابر شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ ان طریقوں سے مقصود قربت اور آخرت کا حاصل کرنا ہے۔

نام کے پیر مگر جیسے ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے اس جماعت میں بھی کچھ ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنے والے ہر جماعت میں اور ہر زمانے میں ہوتے آئے ہیں۔ ایک دو کی بُرائی کی وجہ سے پورے دین میں برائی نہیں ہوتی ہے۔ ہاں بیعت ہونے کے وقت مرشد کا انتخاب سوچ سمجھ کر کھرا کھوٹا دیکھ کرنا چاہیئے حضرت مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست = پس بہر دستے نہ باید داد دست

بسا اوقات شیطان آدم کے بھیس میں آئے گا۔

تم کو سوچنا چاہیئے سمجھنا چاہیئے کہ جب تمہارا کچہری میں مقدمہ ہوتا ہے تو ہر وکیل کو وکیل نہیں بناتے اور جب تم بیمار ہوتے ہو تو ہر ڈاکٹر کو معالج نہیں بناتے اور نہ ہر حکیم کے پاس جاتے ہو۔ بلکہ سوچتے ہو کہ اچھے سے اچھا وکیل اور اچھے سے اچھا ڈاکٹر حاصل کریں۔ جب دنیا میں یہ معاملہ ہوتا ہے تو اللہ کی رضا اور آخرت کے واسطے جو ملا اسکے ہاتھ پر کیسے بیعت کرنا چاہیئے اچھا ہو یا بُرا نمازی ہو یا نہ ہو۔ عورتوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بے پردگی کے ساتھ بیعت کرتا ہو ہر ایک بیعت کے لیے کیسے ہو سکتا ہے۔

عورتوں سے بیعت لینے کی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کرتے تھے اور اگر مجمع بڑا ہوتا تو کپڑا پکڑ کر بیعت لیتے تھے، مگر عورتوں کی بیعت کبھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ بخاری میں یہ روایت کئی جگہ ہے کہ واللہ ما مست ید رسول اللہ ید النساء اذا یابعھن، خدا کی قسم حضورؐ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھُوا۔ بیعت کے وقت پردہ کرکے باہر سے بیعت کرتے تھے۔ زبان سے یا کپڑے سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر متقی پرہیزگار کوئی اور نہیں ہو سکتا، لیکن حضورؐ تو کسی اجنبی عورت کو سامنے

نہ کرتے تھے اور نہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر بیعت کرتے تھے، مگر آج یہ گمراہ اور شیطان کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آؤ تم پردہ اٹھاؤ۔ ہم تم محشر میں کیسے پہچانیں گے جب تک تمہارا چہرہ نہ دیکھیں گے۔ تم تو بیٹیاں ہو۔ تم تو پوتیاں ہو اور نواسیاں ہو۔ یہ تمام شیطانی کاروائیاں ہیں۔

جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے آقا تھے۔ سب عورتیں آپکی بیٹیاں تھیں اور آپکی ازواج مطہرات کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ازواجہ امھاتھم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں کل مؤمنین کی مائیں تھیں۔ تو ہم آپکی اولاد کے درجے میں ہوئے، مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے پردہ سامنے نہیں آتے ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملاتے، لیکن آج ایسے غلط کار لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو پردہ مٹواتے ہیں، بدن دلواتے ہیں اور تنہائی میں جمع ہوتے ہیں یہ سب غلط، ناجائز اور حرام ہے۔ جو یہ کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے پیر نہیں ہے بلکہ گمراہ شیطان ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق او کما قال۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کسی مخلوق کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سریّہ کا سردار بنایا اور حکم دیا کہ اسکی تابعداری کرو سب راستے میں جا رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر ایک شخص نے سردار سے کچھ مذاق کیا۔ ان پر انکو غصہ آ گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو۔ پھر حکم دیا کہ ان میں آگ لگاؤ، پھر کہا اسمیں کودو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ تم میری تابعداری کرنا۔ بعض لوگوں نے کہا ہاں حضورؐ نے حکم دیا ہے اور انہوں نے کودنے کا ارادہ کیا اور بعض لوگوں نے کہا "ہم نے آگ ہی سے بچنے کے لیے حضورؐ کی تابعداری کی ہے ہم اپنے آپ کو آگ کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں" چنانچہ یہ لوگ کودنے سے جھکے اور دوسروں کو بھی منع کیا۔ اس سلسلہ میں اختلاف ہوتا رہا تاآنکہ آگ بجھ گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سردار کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس معاملہ کا ذکر فرمایا۔ آپ بہت خفا ہوئے۔ آپ نے دونوں کو ڈانٹا۔ سردار کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جنھوں نے کودنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ خلاف شریعت کسی کی تابعداری جائز نہیں۔ اگر کوئی مرشد کہے بت کو سجدہ کرو تو ہرگز اسکی تابعداری نہیں کرنی چاہیئے۔ مرشد کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر وہ کرتا ہے تو پیر نہیں شیطان ہے۔ بعض بیوقوف کہتے ہیں ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزل ہا

اور اس کے غلط معنیٰ بیان کرتے ہیں۔ اگر مرشد شریعت کے خلاف کرتا ہے تو اس کی تابعداری ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔

بہرحال بیعت کرنا امر شرعی ہے اور سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور خدا کی خوشنودی ہی کا نام ہے جو کچھ کمال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں ہے۔ آپ سے محبت کرنا آپکی حکم کی ہوئی باتوں پر چلنا اسی میں نجات ہے اسی میں کمال اطاعت ہے۔

عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے باپ اولاد اور تمام لوگوں سے اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ تمام خاندان تمام دنیا سے بڑھی ہوئی ہونی ضروری ہے۔ آج ہم اپنی بے وقوفیوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر آپ صلعم کے طریقے کو چھوڑتے ہیں۔ آپ کی صورت سے نفرت کرتے ہیں۔ آپکے دشمن کی صورت بناتے ہیں اور انکے فیشن کو اپنا فیشن سمجھتے ہیں۔ داڑھیاں کترواتے ہیں۔ انگریزی بال رکھتے ہیں اور اس جیسے کام کرتے ہیں یہ انتہائی غلطی ہے اور اس کی وجہ سے خدا کا غضب ہوتا ہے اور خدا کی رحمت دُور ہوتی ہے۔

اے میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدو کہ اگر خدا کی خوشنودی اور رضا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ ان سے محبت رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ مُشرکین کی صورت و سیرت کے خلاف داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کتراؤ۔"

آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ خدا کے دشمنوں کی صورتیں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیئے کہ کہیں خدا کا غضب نازل نہ ہوجائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت اختیار کرنا چاہیئے اور

ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اس کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔

عمرِ عزیز کی قدر و قیمت اور بہترین مشغلہ | میرے بھائیو! اس عمرِ عزیز کو جو ملی ہوئی ہے۔ غنیمت سمجھیے اور ہر وقت خدا کا ذکر کرتے رہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ یہ وقت بڑی نعمت ہے اور قلب کی صفائی کرنی چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ـــــ

لکل شیءٍ صقالۃ صقالۃ القلب ذکر اللہ۔	ہر چیز کے مانجنے اور چمکانے کی چیزیں ہوتی ہیں جن سے انکو مانجا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے۔ قلب کی صفائی اور اسکو مانجنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

پھر فرمایا: ـــــ

ما من عمل انجی من ذکر اللہ۔	کوئی چیز خدا کے عذاب سے اسقدر بچانے والی نہیں ہے جسقدر خدا کا ذکر بچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب سے بچنے کی بہترین صورت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ ایک روز جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرما رہے تھے کہ قلوب کی اصلاح کرنا چاہیئے اور یہ کہ یہ ذکر اللہ ہی سے ہو سکتی ہے۔

ایک صاحب نے اس مجلس میں دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹواتا ہے۔ وہ افضل ہے یا خدا کا ذکر کرنے والا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور سر سے پیر تک لہو لہان اور قتل ہو گیا وہ شخص بھی اسقدر خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے والا نہیں۔ جسقدر خدا کا ذکر کرنے والا۔ کیونکہ اگر جہاد کرنے والا ذکر اللہ نہیں کرتا تو وہ مقبول نہیں۔ جہاد میں بھی خدا کا حکم ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ لعلکم تفلحون	جب تمہاری مڈبھیڑ دشمن سے ہو تو تم جم جاؤ اور خدا کا ذکر کرو۔

پس خدا کی یاد جہاد کی جڑ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا گیا تھا۔

اقم الصلٰوۃ لذکری۔ نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ ۔ — ذکر کرنیوالوں اور نہ کرنیوالوں کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ ذکر کرنیوالا زندہ ہے اور نہ کرنیوالا مردہ خواہ تم زندہ سمجھو۔

ذکر اللہ کی بڑی وقعت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کی ہے، جو لمحہ بھی ذکر اللہ میں گزرتا ہے بڑا قیمتی ہے چاہے وہ زبان سے ہو یا دل سے یا روح سے ہو یا سانس سے ہو کسی قسم سے بھی ہو اللہ کا ذکر باعثِ نزول رحمت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر من ملاءہ۔ (اوکما قال) — جو شخص مجھے اپنے دل میں تنہائی میں یاد کرتا ہے میں اسکو دل میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اس سے اچھے مجمع میں کرتا ہوں۔

من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً۔ (الحدیث) — جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اسکی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ذکر کرنے والوں پر بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ بھائیو! عمر کا جو حصہ ملا ہے غنیمت ہے۔

میرے بھائیو! اس فرصت کو غنیمت سمجھو اور خدا کا ذکر ہر وقت کرتے رہا کرو۔ دن رات، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کسی وقت غافل نہ رہو۔ ذکر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور نماز کے اوقات متعین ہیں۔ بعض وقتوں میں نماز سے روکا گیا ہے جیسے طلوع و غروب اور استواء کا وقت، اسی طرح بلا وضوء نماز نہیں پڑھی جا سکتی، مگر خدا کے ذکر کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے اور نہ کسی حالت میں روکا گیا ہے

وضو کے ساتھ ہو یا بلا وضو ۔ ہر حالت میں خدا کا ذکر کرنا جائز ہے ۔ اگر غسل واجب ہو تو ذکر اس وقت بھی ممنوع نہیں ۔ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت کے لیے حضورؐ نے تعلیم دی ہے ۔ صحابہ کرامؓ تجارت بھی کرتے تھے اور زراعت بھی، مگر کبھی خدا کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے تھے ۔ لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ۔ (وہ تجارت بھی کرتے ہیں، خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، مگر یہ چیزیں ان کو خدا کے ذکر سے غافل نہیں کرتی ہیں) یہی چیز ہم کو بھی کرنی چاہیئے ۔ ہر کام انجام دیجیے، مگر ذکر ہوتا رہے یہاں تک کہ عادت پڑ جائے ۔ اگر عادت پڑ گئی تو جاگتے، سوتے، بیماری کی حالت میں اور بیہوشی کی حالت میں بھی ذکر ہوتا رہے گا ۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سب سے زیادہ نفع دینے والی چیز بتلائیے ۔ تو جناب رسول اللہؐ نے فرمایا ذکر اللہ کی عادت ڈالو تا کہ مرتے وقت بھی خدا کا ذکر تمہاری زبان پر جاری رہے ۔ آپؐ نے فرمایا

من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة ۔ وہ شخص ضرور جنت میں داخل ہوگا جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا ۔

اس کی کوشش کیجئے اور دعا کیجیے کہ خدا ہم تمام حاضرین کا خاتمہ ایمان پر کرے اور ہم سب کو محشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور مہربانی نصیب فرمائے ۔ اے ہمارے پالنے والے خدا دین و دنیا کی حاجت پوری کر اور اپنا سچا تابعدار بنا ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين ۔

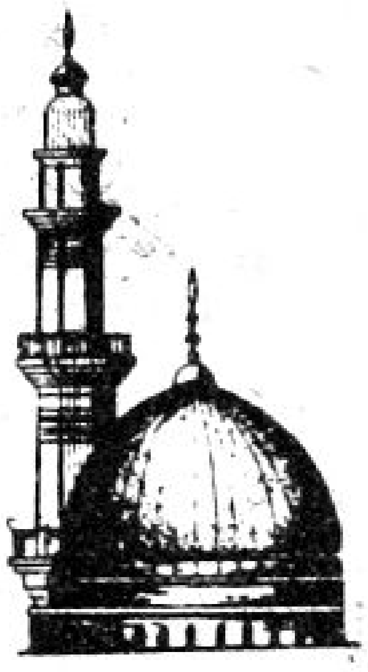

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

حضرت مولانا مرزا گل صاحب مدظلہ
مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

اسلامی نظامِ عدالت

(قسط دوم)

فاروق اعظمؓ کا سنہری دور اسلامی نظام عدالت میں یہ دونوں محکمے نہایت اہم ہیں ایک محکمۂ قضاء دوسرا محکمۂ افتاء۔

محکمۂ افتاء کا کام ہے "تعلیم القوانین والاحکام" اور محکمۂ قضاء کا کام ہے "تنفیذ القوانین والاحکام" اور دونوں محکموں کے قیام سے ہی دنیا میں عدل و انصاف قائم ہوسکتا ہے اور قیامِ عدل و انصاف دافعِ نزاع والفساد ہے۔ حکیم افلاطون کا مشہور مقولہ ہے "العادلہ تمنع المجادلہ" لیکن چاہے تعلیم القوانین ہو یا تنفیذ القوانین یہ اسلام کے اخلاقی نظریات سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک انسان کے اخلاقی نظریات اسلامی اصول اور قوانین کے مطابق نہ ہوں اور وہ اسلامی اصولوں کا پابند نہ ہو تو وہ ان مقاصدِ مذکورہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ اسلام کے اخلاقی نظریات کی بنیاد اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ انسان کے ہر اعتقاد و کردار پر اللہ تعالیٰ علماً و قدرتاً محیط ہے۔ ان اللہ علی کل شیئ قدیر، ان اللہ بکل شیئ علیم۔ خدا یوم جزاء کا مالک ہے۔ اس کے سامنے مخلوقات کی پیشی یقینی ہے انسان اپنے اعتقاد اور اعمال کے متعلق اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا یہی اعتقاد انسان کو عدل و انصاف پر مجبور کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کے عدل و انصاف کا دارومدار اس کے دینداری و امانت داری پر ہے۔ اگر وہ دیندار اور امانت دار ہے تو اپنے اعمال و کردار میں بھی وہ عادل و منصف ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ چاہے محکمۂ قضاء ہو چاہے محکمۂ افتاء ان کے بہترین کردار کا دارومدار ان اشخاص کی دیانت داری، تقویٰ اور دینداری پر موقوف ہے جو ان محکموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر افراد د

ارکانِ محکمہ کامیاب ہیں تو محکمہ بھی کامیاب ہے۔ ورنہ اسلامی نظام کے رو سے یہ محکمہ فیل ہے۔ اب اس بارے میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا نظریہ اور کردار ملاحظہ فرمایا جائے۔ پہلے یہ مسئلہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ جب سے انسان نے عالمِ وجود میں قدم رکھا ہے اور دنیا کا نظام اس کے ہاتھ میں آیا ہے، ہر دور میں مسلمان کے اعتقادی نظریہ کا اہم مسئلہ یہ رہا ہے کہ ہر اسلامی مملکت کی بنیاد اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات جیسے بنیادی اصولوں کے اتحاد پر قائم ہے اور ان اصولوں کو عملی شکل دینے کے لیے صرف خدائی احکام اور اصول بروئے کار لانا ضروری ہیں، کیونکہ انسان کو اپنی زندگی کے ہر پہلو پر نگاہ رکھنی چاہیئے اس لیے کہ زندگی کا مقصود وغایت صرف مادی عروج اور ترقی نہیں ہے بلکہ مسلمان کی زندگی کا اہم مقصد روحانی ترقی اور عروج ہے، کیونکہ مادی ترقی صرف دنیا میں منحصر ہے اور روحانی ترقی کا تعلق عالمِ آخرت کے ساتھ ہے اور ہر مسلمان کا یہ اعتقادی نظریہ ہے کہ ہر انسان کا عالمِ دنیا سے عالمِ آخرت کی طرف انتقال کرنا اور خدا کے سامنے اپنے اعمال وکردار کا حساب دینا اور عالمِ آخرت میں جاودانی زندگی پانا لازمی ہے۔ لہٰذا انسان ہر زمانہ میں اور ہر معاملہ میں اصولِ ربّانی اور قوانینِ خداوندی کا مطیع رہے۔ چاہے وہ رسول اور نبی ہے۔ چاہے امتی ہے۔ چاہے وہ بادشاہ اور حاکم ہے۔ چاہے وہ محکوم ہے۔ چاہے مملوک ہے چاہے مالک۔ سب کے سب نظامِ قانون خداوندی سے منسلک ہیں۔

جیسا کہ بیانِ مذکورہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر اسلامی مملکت تین اجزاء سے بنتی ہے۔ اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات۔

اخلاقیات کا تعلق عبادات سے ہے، معاشیات کا تعلق انسان کے معاشرہ اور معاملات سے ہے اور سیاسیات کا تعلق انسان کے تدابیر اور انتظامی امور سے ہے۔ پھر ہر ہر جزء کئی کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔ جزء عبادت دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک اعتقاد، دوسرا عمل۔ معاشیات بھی کئی اجزاء پر مشتمل ہے اور جزء سیاسیات اور انتظامی امور بھی کئی شاخ رکھتا ہے۔

پھر شریعت مطہرہ نے ہر ایک مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور قرآن کریم نے بعض مقامات میں یہی مسائل اجمالاً اور بعض مقامات میں تفصیلاً بیان کئے ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ـــ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تراہ فانہ یراك ۔ اس آیت اور اس حدیث میں عبادت اور خلوص فی العبادت کا ذکر ہے۔ احل اللہ البیع

وحرم الربوا ۔ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ۔ ان آیات میں اسلامی معاشرے، معاملے کا ذکر ہے ۔ ایسے ہی وہ آیات اور احادیث جو نکاح، طلاق، عتاق، حسنِ سلوک، حدود وقصاص، اطاعت امراء وحکام اور ترحم وتعظیم سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سب کے سب سیاست سے تعلق رکھتے ہیں ۔

اب عالَم دو ہیں ۔ ایک عالَمِ دنیا، دوسرا عالَمِ آخرت، عالمِ آخرت حقیقت میں عالَمِ دنیا کا اثر، مرتبہ اور نتیجہ ہے ۔ عالمِ دنیا دارالابتلاء والعمل ہے ۔ عالَمِ آخرت دارالجزاء والاثر ہے ۔ انسان عالَمِ دنیا میں جو کچھ کرے گا اس کا نتیجہ اور بدلہ وہ یقیناً دارالعقبیٰ میں پائے گا ۔ ووجدوا ما عملوا حاضراً ۔ لیکن عالَمِ آخرت کا نظام جو جزاء وسزا، ثواب وعقاب کا نام ہے ۔ اسے اللہ تعالیٰ خاص اپنے دستِ قدرت میں لے گا اور ہر انسان کا معاملہ اس کے روبرو فیصلہ کرے گا ۔ قرآنِ حکیم کے ظاہری نصوص اس بات پر شہادت دیتے ہیں ۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس شیئاً ۔ ونخرج لہ یوم القیمۃ کتاباً یلقٰہ منشوراً ۔ اقرأ کتابك کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیباً ۔

البتہ دُنیا کا نظام اللہ جل شانہٗ نے انسان کے ہاتھ اور اختیار میں دیا ہے اور نظام چلانے کے اصول اور قوانین بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے نازل فرماتے اور انسان کو اس بات کا مکلّف بنایا کہ وہ دنیا کے نظام کو ان اصول اور قوانین کے مطابق قائم اور جاری رکھے ۔ جب سے انسان نے عالَمِ دنیا میں قدم رکھا اور تعمیر ونظام دنیا انکے سپرد ہوئی ہے، اللہ نے قانون سازی میں اسکو کبھی فاعل مختار نہیں بنایا ۔ بلکہ بمقتضاء نصوصِ قرآنی انسان صرف اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے ۔ یہاں وہ کسی چیز کا حقیقی مالک اور مستحق بھی نہیں ہے ۔ لہ (۱) للہ ملك السموات والارض ۔ (۲) للہ ما فی السموات وما فی الارض (۳) ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین ۔

ان نصوص سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان دنیا کے مال واسباب سے حسب ضرورت صرف فائدہ ہی اٹھا سکتا ہے ۔

اَب مَیں اصل موضوع کی طرف لوٹ رہا ہوں ۔ یعنی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بارے میں کچھ لکھتا ہوں ۔

واضح ہو کہ اسلامی نظامِ عدالت اگرچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے عہد میں قائم تھا۔ لیکن چونکہ اسلام زیادہ نہیں پھیلا تھا اور خصومات وحوادثات بھی کم تھے۔ دوسرے ممالک اور اقوام سے ربط وتعلق بھی زیادہ نہ تھا۔ اس لئے اسلامی نظام عدالت کا اثر ورسوخ خطۂ عرب تک ہی محدود تھا اور اسلامی نظامِ عدالت کا حسنِ عدل وانصاف باقی اقوام میں زیادہ مشہور نہ ہوا تھا چونکہ فاروقِ اعظم کے عہد میں اسلام وسیع رقبہ میں پھیل گیا اور سلاطین دنیا اور اقوامِ عالم سے اس کو واسطہ پڑا اور اسلامی نظام عدالت کا دنیا کی تمام عدالتوں سے مقابلہ ہوا۔ اس وقت سے اسلامی نظام عدالت کی خوبیوں کا اقوام عالم کو اعتراف کرنا پڑا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلامی نظامِ عدالت کو تمام عدالتوں پر امتیازی شان حاصل ہے۔ اس لئے حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ "فاروق اعظم" اور "عادلِ اکبر" کے لقب سے مشہور ہوئے اور سلاطین عالم پر ان کے عدل وانصاف کی شوکت و دبدبہ بیٹھ گیا۔ اور لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ دنیا کے بادشاہوں نے عدل وانصاف کے نام سے جو عدالتیں قائم کر رکھی ہیں وہ ایک طرح کا ضرع، مکر، فریب اور ظاہرداری ونفاق ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی خلافت کی کامیابی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے حکومت وانتظام کی مشینری میں نہایت موزوں کل پرزے استعمال کئے تھے۔ جوہر شناسی کی صفت ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ وہ قابل ترین لوگوں کو ان کی قابلیت کے مطابق عہدے دیتے تھے۔ سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبولِ عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام بھی بخوشی برداشت کرلیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست اور دشمن کی تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ بہت سے لوگ ان سے ناراض ہوجاتے، کیونکہ وہ جرائم کی پاداش میں سزا دیتے وقت کسی کی عظمت اور شان کا مطلقاً پاس نہیں کرتے تھے، لیکن جب لوگ یہ دیکھتے کہ اس معاملہ میں وہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھتے ہیں تو انہیں صبر آجاتا تھا۔

فاروق اعظم کسی کی ظاہری شہرت اور سنی سنائی قابلیت پر اعتماد نہیں کرتے تھے، بلکہ جب کسی عہدہ کے لئے کسی کو منتخب کرتے تو پہلے اسے پرکھتے تھے، چنانچہ قاضی شریح بن الحارث کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جس وقت فاروقِ اعظمؓ نے انہیں کوفہ کا قاضی بنانا چاہا تو پہلے ان کا امتحان لیا۔ فارق اعظمؓ نے ایک یہودی سے گھوڑا خریدا تھا۔ قبضہ کے بعد فاروق اعظمؓ نے چال معلوم کرنے کے لئے گھوڑے کو دوڑایا۔ وہ

گھوڑا اس دوڑ ہی میں عیب دار ہو گیا (زخمی ہو گیا) فاروق اعظمؓ کو گھوڑا پسند نہ آیا اور مالک کو واپس کرنا چاہا، لیکن چونکہ گھوڑا زخمی ہو چکا تھا۔ اس لئے مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس جھگڑے کو حضرت عمرؓ نے حضرت شریح کے پاس پیش کیا۔ قاضی شریح نے فیصلہ دیا کہ اگر قبضہ کرتے وقت آپ نے مالک سے یہ ذکر کیا تھا کہ میں گھوڑے کی چال دیکھ کر پسند کرونگا اور مالک نے بھی آپ کی یہ شرط قبول کر لی تھی تب یہ گھوڑا مالک کو واپس لینا پڑے گا اور اگر آپ نے مالک کے ساتھ اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور اب گھوڑا عیب دار ہو چکا ہے تو اسے واپس نہیں کر سکتے اور اب یہ تمہارا ہے۔ آپ کو ثمن دینا پڑے گا۔

چونکہ یہ فیصلہ درست تھا۔ فاروقِ اعظمؓ کو پسند آیا۔ اس لئے حضرت شریح کو کوفہ کا قاضی بنا دیا۔ اور تقریباً پچھتر سال تک قاضی شریح کوفہ کے قاضی رہے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اصلاحات کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کئے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عمر فاروقؓ کو قضاء کا عہدہ دیا تھا، لیکن آپ چونکہ سخت گیر مشہور تھے اور لوگ آپ کے تدبر سے بھی پوری طرح واقف نہ تھے۔ نتیجہ ہوا کہ کامل دو برس تک مدعی یا مدعا علیہ نے آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی۔ اس لئے آپ دورِ صدیقی میں بحیثیت جج کے شہرت حاصل نہ کر سکے۔

خلافتِ فاروقی جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلام دنیا کے دور دراز گوشوں تک پھیل چکا تھا اور غیر اقوام کے ساتھ ربط تعلق کا دامن بھی بہت وسیع ہو گیا تھا۔ اس لئے اس وقت ایک ایسے نظامِ عدل کی ضرورت محسوس ہوئی جو عربوں اور غیر عربوں میں یکساں طور سے نافذ کیا جا سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے سلطنت کے مختلف حصّوں میں صوبائی، ضلعی اور تحصیلداری نظام عدالت قائم فرمایا، فوجداری و دیوانی خصومات طے کرنے کے لئے ججوں اور قاضیوں کو مقرر فرمایا جو قرآن و حدیث اور اجتہاد و قیاس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ تمام افسرانِ عدالت کا تقرر تاجِ خلافت کی طرف سے کیا جاتا تھا، لیکن صوبوں میں گورنروں کو بھی یہ اختیارات حاصل تھے اور منظوری خلیفہ کے بعد تقرر کر سکتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو درداؓ کو مدینہ کا، شریح بن حارث کو کوفہ کا، ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کا اور عثمان بن قیس بن ابی عاص کو مصر کا چیف جج مقرر فرمایا تھا۔

لائحہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام عدالتوں کے لئے ایک لائحہ عمل وضع فرمایا تھا جس پر عمل کرنا تمام عدالتوں کے لئے لازم تھا۔ یہ لائحہ عمل سلطنت کے تمام حکام کو بھیج دیا گیا تھا۔ یہ لائحہ عمل مندرجہ ذیل احکامات پر مشتمل تھا۔

۱۔ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھا جائے۔

۲۔ نشست گاہ میں کسی قسم کی تخصیص روا نہ رکھی جائے۔

۳۔ عدل و انصاف میں کسی کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے

۴۔ کسی بڑے آدمی کو کسی قسم کی ناجائز توقع پیدا نہ ہونے دی جائے۔

۵۔ کمزور کو عدل و انصاف سے مایوس نہ کیا جائے۔

۶۔ مدعی کے ذمہ ثبوت دعویٰ اور گواہی پیش کرنا ہے۔ مدعا علیہ پر جو منکر ہو قسم پیش کرنا ہے۔

۷۔ فریقین کو آپس میں راضی نامہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

۸۔ جن مسائل میں شک و تردد لاحق ہو ان میں عقل و درایت سے کام لیا جائے۔

۹۔ مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت پچھلے نظائر و امثال کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

۱۰۔ مدعی اور مدعا علیہ کو گواہ بہم پہنچانے میں سہولت دی جائے۔

۱۱۔ مسلمان ایک دوسرے کے لئے بحیثیت گواہانِ عادل پیش ہو سکتے ہیں۔

۱۲۔ وہ مسلمان جن پر حدِ شرع جاری ہو چکی ہو اور ان کے متعلق جھوٹی گواہی کا تجربہ حاصل ہو چکا ہو یا فریقِ مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت داری رکھتے ہوں یا عداوت ذاتی ہو یہ بحیثیت گواہ قابلِ قبول نہیں۔

۱۳۔ تمام انسان انسانی حقوق میں برابر خیال کئے جائیں۔ بشرطیکہ پابند قانون ہوں۔

۱۴۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو ان کا حق دلایا جائے۔ اور اگر کوئی اس حق پر ہاتھ ڈالے تو جرم کے برابر اس کی سزا پائے۔ انتقام اور مکافات میں مساوات کا لحاظ کرنا عدل ہے۔

حاکمانِ عدالت کی خصوصیات و فرائض ۱۔ اسلامی نظام عدالت میں حاکمِ عدالت کے لئے یہ

نہایت ضروری ہے کہ وہ اسلام کے قوانین وضابطوں سے پوری واقفیت رکھتا، قوت فیصلہ کا مالک ہو قانونی تشریح پر قادر ہو۔

۲۔ حاکم عدالت کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ عدالت کے فرائض اس یقین کے ساتھ انجام دے، کہ خدا اس کے ساتھ ہے اور ہمارا کوئی قول وفعل خدا سے مخفی نہیں۔

۳۔ حاکمِ عدالت کا کام وقار کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ فریقین پر نظر اٹھانے میں بلند آواز سے خطاب کرنے میں اور عام طریقِ عدل میں فریقین سے یکساں معاملہ کرنا چاہیئے۔

۴۔ قاضی عدالت یا حاکمِ عدالت کا فرض ہے کہ وہ فریقینِ مقدمہ کے ساتھ برابر کا سلوک کرے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے ایک فریق کو دوسرے فریق پر برتری حاصل ہو۔ حتیٰ کہ کسی فریق سے تنہائی میں گفتگو اور مشورہ بھی نہ کرے۔

۵۔ حاکم کو حالتِ غصہ وطیش میں عدالت کے کام سے باز رہنا چاہیئے اور عدالت کے کمرہ میں کوئی بات ایسی نہ کرنی چاہیئے جس میں زور۔ زبردستی اور زیادتی کا دخل واثر ہو۔

۶۔ حاکم عدالت کو غریبوں اور باہر سے آنے والوں کے مقدمات کی سماعت پہلے کرنی چاہیئے۔

۷۔ عورتوں اور مردوں کی سماعت الگ الگ ہونی چاہیئے۔ اگر عدالت مسجد میں ہو تو حائضہ عورت کا بیان باہر سُنے۔

۸۔ تردد اور شک کی حالت میں فیصلہ نہ لکھا جائے اگر اہم اور ضروری مقدمہ ہو تو وقت زیادہ دینا چاہیئے۔ اگر انصاف میں شک ہو تو مقدمہ کو دوسری عدالت میں بھیج دینا چاہیئے۔ اگر عدالت کا حاکم مجتہد نہ ہو تو اس کو علمائے قانون کا فیصلہ حاصل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ دینا چاہیئے۔ اگر مقدمہ کے لئے ضروری ہو تو کسی ترجمان سے مدد لینی چاہیئے۔ قانونی مشیروں سے عدالت میں مشورہ اور رائے نہ لینی چاہیئے۔ بلکہ یہ کام کسی دوسری جگہ انجام دینا چاہیئے۔ مشیرانِ عدالت کے لئے ضروری ہے کہ وہ برابر کے قانون دان ہوں۔ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ اور قانون سے بے خبر اصحاب کا بطور مشیرانِ عدالت تقرر جائز نہیں۔

۹۔ دورانِ مقدمہ فریقین میں سے کسی فریق کو ذاتی قیام گاہ پر ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع نہ دینا چاہیئے اور عدالت میں تنہا کسی فریق سے سرگوشی نہ کرنی چاہیئے۔

۱۰۔ گواہانِ مقدمہ میں سے کسی گواہ کو اپنے کسی لفظ سے متاثر نہ کرنا چاہیئے اور گواہ سے کیفیت شہادۃ

کے متعلق سوال کرنا بھی ضروری امر ہے کہ تم اس مقدمہ میں کس امر کی گواہی دینی چاہتے ہو اور اس معاملہ میں کہاں تک تمہیں معلومات حاصل ہیں اور یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں۔ نیز تزکیہ شاہد بذمہ قاضی ہے۔

۱۱۔ حدود و قصاص میں عورت نہ فیصلہ دے سکتی ہے اور نہ شہادت دے سکتی ہے۔

۱۲۔ تنفیذ حکم اور فیصلہ سنانے کے وقت فریقین کا حضور ضروری ہے۔ اگر مدعی یا مدعا علیہ خود حاضر نہیں بلکہ اس کا وکیل حاضر ہے۔ تب بھی قاضی فیصلہ صادر کر سکتا ہے، لیکن رجسٹر میں مؤکل کا نام لکھنا ضروری ہے اور قاضی ان الفاظ سے فیصلہ صادر کرے گا کہ میں نے فلاں شخص کے حق میں یا فلاں کے خلاف بحضور وکیل یہ فیصلہ صادر کیا ہے۔

۱۳۔ اگر مدعی یا مدعا علیہ نے اپنی طرف سے کسی شخص کو وکیل بالخصومۃ بنایا ہے اور قاضی عدالت کو یہ معلوم ہے کہ یہ وکیل باطل حیلوں میں مشہور ہے اور حق بات کو باطل دلائل سے یا باطل بات کو باطل حیلوں سے حق ظاہر کرتا ہے یا حق کو باطل کرتا ہے تو ایسی وکیل کی وکالت بھی منظور نہ کرے۔

۱۴۔ جب فیصلہ سنائے تو ان الفاظ کے ساتھ سنائے۔ میں اس عدالت کے حاکم کی حیثیت سے یہ حکم دیتا ہوں یا فیصلہ کرتا ہوں۔

۱۵۔ عدالت میں حاکم عدالت کا رویّہ نہایت نرم ہونا چاہیئے تاکہ اہل نزاع دہشت زدہ نہ ہوں۔ حاکم عدالت کو کسی قسم کی رشوت، ہدیہ، ہبہ، تحفہ وغیرہ قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ایسے ہی قاضی عدالت دعوتِ خاص بھی قبول نہیں کر سکتا۔ البتہ جن لوگوں کے ساتھ عہدۂ قضا سے پہلے تحفہ تحائف کا سلسلہ جاری تھا وہ حسبِ سابق اب بھی جاری رہے گا۔

۱۶۔ اگر ایک شہر میں دو قاضی یا دو عدالتیں ہوں اور مدعی ایک قاضی کے پاس فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور مدعا علیہ دوسرے قاضی کے پاس فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو اس مسئلہ میں علماء مختلف ہیں کہ کس کی رائے معتبر ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مدعا علیہ جس قاضی کے پاس فیصلہ کرنا چاہتا ہے، فیصلہ وہی قاضی کرے گا۔

۱۷۔ حاکمِ عدالت اپنے والدین اپنی بیوی اور اولاد کے حق میں فیصلہ نہیں دے سکتا، البتہ ان رشتہ داروں کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔

۱۸۔ حاکم عدالت کے لیئے مناسب یہ ہے کہ بوقتِ غم و حزن اور زیادتیٔ پیاس و بھوک یا زیادتیٔ حرارت

و برودت یا مرض یا بوقت رغبت و شوق الیٰ امرٍ فیصلہ نہیں دینا چاہیئے۔ ایسے وقت عدالت بھی زیادہ دراز نہ ہو تاکہ دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ہو۔ (باقی آئندہ)

بقیہ : الشفاء

تھا کہ شیطانی آفات یا سماوی بلیات آپ پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک، زبان اور دیگر اعضاء و جوارح کا تزکیہ فرمادیا۔ مثلاً تزکیہ قلب کے متعلق ارشاد خداوندی ہے :

مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی ۔ نہیں غلط دیکھا دل نے جو کچھ دیکھا۔

اور زبان کے متعلق فرمایا :

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔

قوتِ باصرہ کے تقدس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا :

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ نہیں کجی کی نظر نے اور نہ زیادہ بڑھی۔

اگلے شمارہ میں

حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہم کا مضمون "اعلیٰ اخلاق کا معلّم"

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم کی ایک عربی نظم

حضرت مولانا عبدالمنان صاحب دہلوی کا عربی قصیدہ۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا رسول خان قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی (از قلم گرامی قدر محترم مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب زید مجدہم)۔

ضروری نوٹ

سفید کاغذ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہم معمولی کاغذ استعمال کرنے پر مجبور ہیں ——

(ادارہ)

ایک نصیحت آموز تعزیتی مکتوب

موسل : حضرۃ مولانا سیّد محمد میاں مدظلہم ، بنام جناب الحاج مبین احمد صاحب

ذیل کا مکتوب گرامی حضرت علامہ مولانا سید محمد میاں دیوبندی مدظلہم نے جامعہ مدنیہ کے مخلص کارکن جناب الحاج مبین احمد صاحب کے نام ان کے والد ماجد کی وفات پر ارسال فرمایا تھا پند و نصائح کے کلمات پر مشتمل ہونے کی بنا پر ہم اس مکتوبِ گرامی کو شائع کر رہے ہیں تاکہ وہ خوش قسمت قارئین جن کے والدین بقیدِ حیات ہیں اس سے استفادہ کریں اور والدین کی موجودگی کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ ان کے شایانِ شان سلوک کریں، انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ان کی نافرمانی سے احتراز کریں اور زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دیکر والدین کی دعاؤں اور حق تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں۔

محترم حاجی صاحب دام لطفکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

عزیزم حامد میاں سلمہٗ کے خط سے محترم والد صاحب کی وفات کا علم ہوا ، صدمہ ہوا ۔ توقع ہے اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو رحمت اور مغفرت سے نوازا ہو گا ۔ افسوس "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت" کا کلیہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ۔ بندہ کی سعادت یہ ہے کہ راضی برضاء مولیٰ رہے ۔ اگرچہ بزرگوں کا سایہ سراسر برکت ہوتا ہے ۔ انکی زیارت برکت ، انکی خدمت برکت ، انکی نصیحت برکت ، بلکہ انکا غصہ بھی برکت ہوتا ہے ۔ ان سب برکتوں سے محرومی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے ، مگر تقدیر میں تبدیلی ممکن نہیں ، اب حصولِ برکت کی شکل یہ ہے کہ انکی نصیحتوں اور بھلائیوں پر عمل ہو اور انکی طرف سے جو سلسلے خیر کے کاموں کے جاری تھے ، انکو باقی رکھا جائے اور صدقات خیرات یا تلاوت قرآن اور جو بھی نیک کام ہو سکیں کئے جائیں اور دعاء کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب مرحوم کو پہنچائے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعاء بتائی ہے ۔ "رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا" اخلاص کے ساتھ اسکو پڑھنا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے اور مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے ۔ جملہ اعزہ کی خدمت میں احقر کی طرف سے تعزیت کر دیجئے ۔

نیاز مند محتاجِ دعاء : محمد میاں ۔ از کتابستان گلی قاسم جان ۔ دہلی ۶

جامعہ مدنیہ

کے متعلق

جلیل القدر علماء کے تأثرات

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد رسول خان قدس سرہٗ

الحمد للہ کہ جامعہ مدنیہ دین کی بہت بڑی خدمت کر رہا ہے۔ یہاں پر فنون کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے۔ احقر نے کئی دفعہ بخاری شریف، قاضی مبارک، خیالی صدرا اور دوسری بڑی بڑی فنی کتابوں کا امتحان لیا۔ الحمد للہ طلبہ بہت قابل اور محنتی ہیں۔ بہت سے طلبہ نے امتحان میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے۔ طلبہ کی قابلیت سے ان کے اساتذہ کی قابلیت انّی دلیل سے ثابت ہوتی ہے۔

میں السید المحترم حضرت مولانا حامد میاں صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ کو اس پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کا مدرسہ فنون کی تعلیم میں بے نظیر ہے اور مدرسین لائق فائق ہیں۔ حق تعالیٰ مدرسہ کے معاونین کو دارین کی ترقی سے نوازے۔ دینی علوم کے اس مرکز کو تادیر قائم فرمائیں۔ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ

مخدوم و محترم حضرت مولانا السید اسعد المدنی مدظلہم خلفِ رشید حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ

احقر اتفاق سے پاکستان حاضر ہوا تو لاہور حاضری ہوئی۔ جامعہ مدنیہ میں کئی بار حاضری اور قیام کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ کے فضل سے اس نوخیز ادارے نے خوب ترقی کی ہے۔ اس کی علمی ترقی و مقام کے بارے میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خاں صاحب مداللہ ظلہم کی تصدیق بہت وقیع و ثمین ہے۔

مدرسہ کی عمارتیں ابھی تشنۂ تکمیل و توسیع ہیں۔ طلبگارانِ علوم نبوی علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کو عدم استطاعت و گنجائش کی وجہ سے واپس کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب زید فضلہم کی توجہ، محنت، سلیقہ کے باعث بحمد اللہ مدرسہ اور اس کے شعبے روز افزوں ترقی پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ مدرسہ کے کارکنوں اور معاونین کو اپنی مرضیات سے نوازے اور مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔

فقط والسلام اسعد غفرلہٗ - ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

تبصرہ

اذانِ سحر

صفحات: ۱۲۸ قیمت: ۲/۵۰

ناشر: عزیز پبلیکیشنز ۵۶ - میکلوڈ روڈ لاہور

قائد جمعیۃ علماء اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحب وزیرِ اعلیٰ صوبہ سرحد کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ قدرت نے انہیں علم و عمل، فقاہت و حذاقت اور زہد و حصانت ایسی خوبیوں سے خوب خوب نوازا ہے۔ ملک میں اسلامی نظامِ حیات کی تنفیذ و ترویج کی خاطر انہوں نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں مسلمانانِ ملک ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ دل و جان سے اس کے آرزو مند ہیں کہ اس نظریاتی مملکت میں شرعی قوانین کا نفاذ ہو اور یہاں اسلامی تعلیمات و اقدار کا بول بالا ہو۔ اس نیک مقصد کے حصول کے لئے آپ نے اپنے شب و روز وقف کئے ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں شاندار خدمات انجام دیتے ہوئے اس عظیم مدبر اور فقید المثال عالمِ دین نے ان گنت اجتماعات سے خطاب فرمایا اور بہت سے رسائل و اخبارات کو انٹرویو دیئے۔ ادارہ عزیز پبلیکیشنز لائق تحسین و مبارکباد ہے کہ اس نے حضرت مفتی صاحب کی چند تقاریر اور انٹرویوز یکجا کر کے "اذان سحر" نام سے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل نہایت خوبصورت رسالہ کی شکل میں شائع کئے۔ جسے پڑھ کر آپ حضرت مفتی صاحب کے حالاتِ زندگی، جمعیۃ علماء اسلام کے عزائم و مقاصد، شرعی قوانین کی تنفیذ کے سلسلے میں جمعیۃ کی خدمات، جمعیۃ پر کئے گئے الزامات و اعتراضات کی حقیقت اور ملک و بیرونِ ملک کے سیاسی حالات سے بہت حد تک روشناس ہو جائیں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں جمعیۃ کو کن کن دشواریوں اور رکاوٹوں کا سامنا رہا ہے اور ہے۔